

عِصْمَتِ انبیاء اور مولانا مودودی  
عقل و نقل کے آئینے میں



حضرت مولانا سید طاہر حسین صاحب گیارہویں مظلہ

ناشر  
کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

## تفصیلات

نام کتاب عصمت انبیاء اور مولانا مودودی عقل و نقل کے آئینے میں۔

مؤلف مولانا سید طاہر حسین جٹاگیاوی مدظلہ

ناشر کتب خانہ نعیمیہ دیوبند (دیوبند)

بار اشاعت چوتھا ایڈیشن ۱۳۸۸ھ

### ملنے کے پتے

دارالعلوم حسینیہ ڈبلیو کلاں پوسٹ ر بلا ضلع پلا مول (پہار)

مکتبہ علمی لبو کھر پوسٹ بار اہاٹ ضلع بانکا

مولانا حفیظ احمد علی قاسمی مقام دیوبند سمریہ ضلع بھاگل پور

مولوی سید عبدالنامہ مرغیث مقام سرکی چک پوسٹ سندیش ضلع بھوچور (پہار)

## حرف آغاز

مُحَمَّدٌ ۞ وَفَضَّلِي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ ۞ اَمَّا بَعْدُ ۞

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں، ان سے کوئی گناہ صغیرہ و کبیرہ صادر نہیں ہوا، نبوت سے قبل بھی عصمت کی دولت سے مالا مال رہے، اور نبوت کے بعد بھی، تاکہ وہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت پر پیش کریں، امت اس پر پورے یقین کے ساتھ عمل کرے اور وہ کسی شک و شبہ میں مبتلا نہ ہونے پائے،

لیکن جہاں بہت سے مسائل میں محدثوں نے شکوک و شبہات پیدا کر کے اپنی عاقبت برباد کی ہے، اسی طرح عصمت انبیاء علیہم السلام کے مسئلہ میں بھی یہ لکھ کر کہ عصمت انبیاء کرام کے لئے لازم نہیں ہے، اپنی عاقبت خراب کیا ہے۔

سب سے پہلے احمد امین مصری نے اپنی کتاب غنی الاسلام میں لکھا کہ مسئلہ علم اہل سنت کا ایجاب کردہ ہے پھر وہیں سے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی بھی متاثر ہوئے اور انہوں نے بھی انبیاء کرام کے معصوم ہونے کا انکار کیا اور اپنی کتابوں میں اس مسئلہ پر قلم فرسائی کی۔

ضرورت تھی کہ اس مسئلہ پر کتاب و سنت کی روشنی میں بتایا جائے کہ

عصمتِ انبیاء کرام کا مسئلہ عہدِ صحابہ کرام سے آج تک مسلم جلا آرہا ہے اور اہل سنت والجماعت بھی اس کے منکر نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے سلطان المناظرین حضرت الحاج مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاروی مدظلہ العالی بانی و مہتمم دارالعلوم حسینیہ پلاموں کو کہ انہوں نے اس مسئلہ پر کتاب و سنت کی روشنی میں پوری بحث کر کے ثابت کیا کہ انبیاء کرام معصوم ہیں۔ یہ کتاب آیات قرآنی اور احادیث کے حوالجات سے مزین ہے۔ مولانا موصوف نے کافی محنت کی ہے اس کتاب کے پڑھنے سے اندازہ ہوگا کہ ملحدوں نے کہاں کہاں دھوکہ کھایا ہے۔ اور کس کس طرح غلط استدلال کیا ہے۔

مختصر یہ کہ کتاب مسلمانوں کے لئے مفید ہے اور اس کا مطالعہ ضروری ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی اصلاح فرمائے جن کیلئے کتاب لکھی گئی ہے۔

محتاج دعاء  
مستدزاہد علیی تاسمعی بھاگل پوری  
ارجمادی الاول ۱۳۸۸ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم  
الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی سید المرسلین وعلی اصحابہ واتباعہ اجمعین  
زیر نظر کتاب کی ترتیب بہت پہلے سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے متعلق میرے علم میں یہ بات آچکی تھی کہ وہ اپنی آزاد خیالی کی وجہ سے بعض عقائد میں اہلسنت والجماعت کے طریقے سے ہٹ گئے ہیں اور یہ بات بھی سنا کرتا تھا کہ جو لوگ ان کے نظریات سے متفق ہیں خصوصاً جماعت اسلامی کے بارے میں بھی یہ بات سننے میں آچکی تھی کہ وہ اپنی تمام فکر اور عملی سرگرمیوں میں مودودی صاحب کے افکار و خیالات کی پابند ہے اس لئے یہ جماعت کتاب و سنت کی متواتر شاہراہ سے الگ ہو چکی ہے لیکن ان سب کے باوجود کوئی ایسا بنیادی اختلاف جو کتاب و سنت کی روشنی میں کھلی گمراہی اور زینح و ضلال سے تعبیر کیا جاسکے میں اپنے طور پر محسوس نہیں کرتا تھا جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ مودودی صاحب اور ان کی جماعت کے متعلق اپنا ذاتی مطالعہ کوئی خاص نہ تھا لیکن بعض رسائل اور مضامین کے ذریعے یہ خیال پیدا ہو چکا تھا کہ مودودی صاحب کے افکار و خیالات اچھے نہیں ہیں تاہم بدگمانی اس درجے کی نہ تھی کہ جسے ان کے مخالفین کی تائید کہا جاسکے مگر خدا بھلا کر سے مجلس نعوة و تحقیق سربراہ

ضلع غلظت کا جس نے دینی عقائد کے ایک اہم مسئلے پر ایک کتابچہ شائع کیا۔ اتفاق سے وہ کتابچہ میری نگاہ سے بھی گذرا اس کے اندر عصمتِ انبیاء کے متعلق دو مقابل تحریروں کا جائزہ لیکر صحیح رائے کی نشاندہی کی گئی تھی پھر اس رسالے کے جواب میں کچھ کتابچے بھی شائع ہوئے اس طرح کتابی سوال و جواب کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا جس کی وجہ سے مجھے بھی یہ خواہش ہوئی کہ مسئلے کی اصل حقیقت معلوم کرنی چاہئے چنانچہ میں بھی اس کی تحقیق میں لگ گیا۔ کافی محنت اور تحقیق و جستجو کے بعد میں جس نتیجہ پر پہنچا ہوں اس کو تفصیل کے ساتھ زیر نظر کتاب کے ذریعہ ناظرین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں تاکہ دینی عقائد کے معاملے میں موجودی صاحب اور ان کی جماعت کے افکار و خیالات کی کمزوریاں میری طرح دوسرے بھائیوں کے سامنے آجائیں اور پھر انھیں بھی ان کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے کا موقع مل سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کرام کی عصمت کے مسئلے میں گمراہی کی ابتدا موجودی صاحب نے خود نہیں کی ہے بلکہ انھوں نے یہ نظریہ دوسری جگہ سے اخذ فرمایا ہے۔

### عصمتِ انبیاء کے سلسلے میں احمد امین مصری کی تحقیق ماضی و ہیکل متاخر مصری

علماء اور مشہور افسانہ پردازوں میں احمد امین مصری کا نام محتاجِ تعارف نہیں ہے انھوں نے اپنی کتاب ”ضحی الاسلام“ کے تیسرے جزیں عصمت

انبیاء کے مسئلے پر بحث کی ہے چنانچہ انھوں نے بڑی جرأت و بیباکی سے کام لیتے ہوئے تقریر فرمایا ہے کہ عصمتِ انبیاء کا یہ عقیدہ شیعوں کے ردِ عمل میں اہلسنت کے اندر پیدا ہوا ہے ورنہ صدرِ اول اور دوسرے سلف میں اس عقیدے کا ہرگز وجود نہ تھا فرماتے ہیں۔

بل لا تعرف العصمة اسنادی بلکہ ہم کو تو اس دورِ صدرِ اول میں  
الانبیاء فی ہذا التصور و حقائقہ اس بات کا پتہ بھی نہیں ملتا ہے کہ  
انکم یہ لایفہم منها دعویٰ عصمة انبیاء کرام کیلئے عصمت ثابت کی گئی ہو  
لاحد من الناس و قرآن کریم کی رو سے تو کسی شخص کے لئے  
رضعی الاسلام جزو ثالث<sup>۲۳</sup> عصمت کا دعویٰ سمجھ میں نہیں آتا۔

یعنی احمد امین مصری کے خیال میں یہ عقیدہ صریح قرآن کے خلاف ہے اور اس کا وجود صدرِ اول کے بعد شیعوں کے عصمتِ ائمہ کے ردِ عمل میں ہوا ہے اس کے بعد احمد امین صاحب نے تقریباً بارہ آیتیں منتخب کر کے اس بات کی دلیل میں پیش کیا ہے کہ یہ آیتیں عصمتِ انبیاء کے عقیدے سے انکار کرتی ہیں ان میں سے بعض آیتوں پر آئندہ صفحات میں تبصرہ کیا جائے گا۔

اُس وقت احمد امین کے استدلال کی حقیقت ناظرین کے سامنے آجائے گی تفصیلی معلومات کے لئے ان آیتوں کی تفسیر کا براہِ اہل سنت



کی کتابوں میں دیکھنی چاہئے تاکہ احمد امین کی مریضانہ ذہنیت اور کج  
فہمیوں کا پوری طرح اندازہ ہو سکے۔ بہر حال احمد امین صاحب نے اس  
خیال کا بار بار اعادہ فرمایا ہے کہ عصمتِ انبیاء کا عقیدہ صدر اول کے  
بعد محض شیعوں کی تقلید میں علماء اہلسنت نے ایجاد کیا ہے چنانچہ اس بات  
پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

واعلم ان الطوائف ان بحث النکاح فی عصمة الانبياء متاخر من قول النبی فی عصمة الامم ادنی الاسلام عقیقہ کے بعد وجود میں آیا ہے۔  
غالب گمان یہ ہے کہ منکحین کا عصمتِ انبیاء کے مسئلے میں بحث کرنا عصمتِ امم کے عقیقہ کے بعد وجود میں آیا ہے۔  
اپنے اس دعویٰ پر احمد امین صاحب نے کوئی ٹھوس ثبوت پیش نہیں کیا ہے بلکہ اپنے دعویٰ کے ثبوت کے لئے انھوں نے تاریخی اسباب و وجوہ کے ذریعہ ظن و تخمین سے استدلال کر کے کوشش کی ہے۔ پوری بحث کا خلاصہ ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

كان الشيعة اذا راوا الشيعة بدلائل سنت نے جب یہ دیکھا کہ شیعوں نے  
یہ نبوت عملاً و فضلاً و مایہ نبواً ہر فصل و کہاں کو کسی نہ کسی امام سے  
مسئله للانبیاء علی الاقل تغلا بنہم منسوب کر رہے ہیں تو انھوں نے بھی  
فی القول بعصمة الانبياء و ان الکبار کم از کم انبیاء و کرام سے متعلق ویسے ہی  
والصغار قبل البیوت بعد ہا عقیقہ بنائے حتیٰ کہ بعض شیعوں

و هو مخالف لصريح القرآن اس میں اس قدر غلو کیا کہ وہ انبیاء علیہم السلام  
درمخی الاسلام ص ۲۳۵ کے حق میں جملہ صفات و کبار سے بعد  
نبوت اور قبل نبوت عصمت حاصل ہونے کے قائل ہو گئے حالانکہ یہ نظریہ صریح قرآن  
کے خلاف ہے۔

احمد امین صاحب نے اپنے اس خیال کی حمایت میں اکابر اہل سنت  
کی کتابوں سے تو کوئی تائید حاصل کی ہے اور نہ ہی اسلامی کتب خانے کے  
ذخیرے میں تلاش و جستجو کے باوجود انھیں کوئی سہارا دستیاب ہو سکا ہے  
البتہ امام غزالی کی ایک عبارت بے موقع نقل کر کے اس سے اپنا عقیدہ  
کشید کرنا چسپاں ہے۔ امام غزالی کی عبارت جو کچھ انھوں نے سمجھنا  
چاہا ہے اس پر تبصرہ کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم ان کے اس نظریے  
کا جائزہ لیں کہ اس عقیدے کے بارے میں ان کا یہ بیان کہاں تک صحیح ہے  
کہ یہ عقیدہ صریح قرآن کے خلاف بھی ہے اور صدر اول کے بعد ایجاد کیا گیا ہے

**عصمتِ انبیاء کا عقیدہ صدر اول سے متواتر ہے** یہ کہنا کہ صحیح  
کرام کے دو

میں انبیاء کرام کے لئے عقیدہ عصمت کا پتہ نہیں ملتا ہے۔ مذہبی تائید  
اور سیر کی کتابوں سے کامل بے خبری کی دلیل ہے اس لئے کہ اسلامی  
فروق کے نظریاتی اختلاف کی تاریخ پر غور کرنے سے یہ بات واضح

طریقہ پر سامنے آجاتی ہے کہ اس عقیدے کا صحابہ کرام کے زمانے میں وجود تھا جیسا کہ آئندہ صفحات میں اسکی تفصیل پیش کی جائیگی۔

**اس بات کا تاریخی ثبوت موجود ہے** [قرآن و حدیث سے

کی روشنی میں بھی ہم تلاش و جستجو کریں تو یہ بتایا یہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ یہ عقیدہ صحابہ کے درمیان اور ان کے بعد تابعین کے زمانہ میں بھی موجود تھا چنانچہ فرقہ ازارقہ جو خوارج کا ایک گروہ ہے اس کے متعلق علامہ آلوسی علیہ الرحمۃ کے حوالے سے یہ بات آئی ہوئی ہے کہ جہور امت سے عصمت انبیاء کے مسئلے میں ازارقہ کو اختلاف تھا اور یہ فرقہ زمانہ رسالت و نبوت میں بھی انبیاء کو کفر و شرک سے معصوم نہیں تسلیم کرتا ہے بلکہ علامہ شہرستانی نے اپنی مشہور کتاب الملل والنحل کے اندر تحریر فرمایا ہے کہ فرقہ ازارقہ صغائر و کبائر میں سے کسی گناہ سے بھی انبیاء کرام کے لئے عصمت کا قائل نہیں ہے۔ اب ایک بات یہ رہ جاتی ہے کہ یہ فرقہ کس دور میں پیدا ہوا اس کی تاریخ ولادت معلوم ہو جائیکے بعد یہ چیز ہنوز سمجھ میں آجائے گی کہ عصمت انبیاء کا عقیدہ صدر اول میں موجود تھا کہ نہیں۔ اگر یہ بات مستند طریقے سے ثابت ہو جائے ہے کہ فرقہ ازارقہ صحابہ ہی کے دور میں پیدا ہو چکا تھا اور اسی نے جہور امت کے اختلاف

عصمت انبیاء کا انکار کیا ہے تو پھر اس بات کے لئے کوئی وجہ ہوا کہ باقی نہیں رہی جاتی کہ احمد ابن مسری کا سابق خیال درست تسلیم کر لیا جائے۔ فرقہ ازارقہ کی بنیاد نافع بن ازرق نے ڈالی ہے۔ تمارہنوں سے یہ حقیقت بے غبار ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ اس فرقہ کا بانی اور سربراہ اول یہی شخص تھا۔ چنانچہ تذکرہ نگار لکھتے ہیں۔

ہو نافع ابن ازرق الخوارج  
من رؤس الخوارج والیہ  
نصب طائفة الارارقة قلی فی  
جادی الاخری سنة ۳۰ و ۳۱  
اسئلة عن ابن عباس فی جزۃ  
اخرج الطبرانی بضعہا فی مند  
ابن عباس من العجم الکبیر  
(حاشیہ الفوز الکبیر ص ۱۸)

یہ نافع ابن ازرق حروری خارجیوں کا  
راس رئیس ہے اور فرقہ ازارقہ اسی سے  
منسوب ہے جادی الاخری ۳۰ و ۳۱ میں  
قل کیا گیا۔ حضرت ابن عباس اور اس  
شخص کے درمیان کچھ سوال و جواب  
بھی ہوئے ہیں جن کا بعض حصہ طبرانی  
نے معجم کبیر میں مندرج ابن عباس کے ذیل  
نقل کیا ہے۔

اس عبارت سے یہ بات پائیہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ فرقہ ازارقہ صحابہ کرام کے زمانے میں ہی رونما ہو چکا تھا پھر اس کے بعد احمد ابن مسری کا یہ کہنا کہ عصمت انبیاء کا نظریہ صحابہ کے دور میں نہ تھا۔ مختلف اسلامی فرقوں کے عقائد اور ان کے صحیح تاریخی حالات سے بیخبری کا نتیجہ نہیں تو او

کیا ہے اگر ہم بغرض محالی یہ بات بھی تسلیم کر لیں کہ خاص بانی فرقہ کی طرف سے عصمتِ انبیاء کے مسئلے میں دو در صحابہ کے اندر یہ اختلاف رونما نہیں ہوا تھا بلکہ بعد میں بانی فرقہ کے متبعین نے یہ اختلاف پیدا کر لیا تھا تو اس کے باوجود دو در صحابہ میں اس عقیدے کے موجود ہونے کا ثبوت فراہم ہو جاتا ہے کیونکہ بانی فرقہ اور اس کے متبعین کی مدت حیات کے بارے میں جو کچھ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے ان سب کا حاصل یہی ہے کہ یہ فرقہ زیادہ دن تک باقی نہیں رہ سکا اور تلیل عمری ہی میں اس فرقے کا خاتمہ ہو گیا۔ اس تاریخ شہادت کے علاوہ خود یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ فرقے کا بانی اول نافع بن ازرق ہے جس کی تاریخ انتقال جاوی اللہ تعالیٰ عنہ بتائی گئی ہے۔ اور صحابہ کرام کا زمانہ کم از کم سو سال یعنی پہلی صدی ہجری تک تسلیم کرنے سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ سوچنے کی بات ہے کہ اس تلیل عمر فرقے کے بانی نے اگر یہ اختلاف اپنی حیات کے اندر نہ پیدا کیا ہو بلکہ اس کے متبعین نے عصمتِ انبیاء کے عقیدے سے اختلاف ظاہر کیا ہو جب بھی نصف صدی سے کچھ کم کالمبا عرصہ اس کے متبعین کو ملتا ہے جس کے اندر اس اختلاف کا ظاہر ہو جانا نہ صرف قرین قیاس بلکہ ایک یقینی امر ہے بنا بریں فرقہ ازارقہ کا عصمتِ انبیاء کے مسئلے میں مجبور صحابہ سے اختلاف کرنا ایک تاریخی حقیقت ہے۔

جس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ جمہور امت اور تمام صحابہ اگر اس وقت عصمتِ انبیاء کے قائل نہ ہوتے تو فرقہ ازارقہ کا اس سے اختلاف کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا اور نہ پھر مورخین کو اس اختلاف کے نقل کرنے کی کوئی ضرورت ہی پیش آتی لیکن اسلامی فرقوں کے نظریاتی اختلاف کی تاریخ میں اس فرقہ کا اس انداز میں تذکرہ پایا جانا اس کی واضح دلیل ہے کہ یہ فرقہ اس نظریے کی وجہ سے امت کی عام شاہراہ سے چونکہ ہٹ چکا تھا اس لئے تاریخ نے اس فرقے کے عصمتِ انبیاء کے عقیدے سے اختلاف کرنے کو محفوظ کر لیا ہے پس تاریخ کے اس تفصیلی بیان کے بعد یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ عصمتِ انبیاء کا یہ عقیدہ صدوں میں موجود تھا اور اس زمانہ میں جمہور امت کا یہی عقیدہ تھا۔

**اس بات کا قرآن و حدیث بھی واضح ثبوت ملتا ہے | قرآن کی بعض**

آیات خاص عصمتِ انبیاء کے مسئلہ میں بالکل صریح ہیں اور وہ اپنے مفہوم و مراد میں بہت زیادہ واضح ہیں جن کا تذکرہ اپنے موقع پر آئندہ صفحات میں آ رہا ہے لیکن ان آیتوں کے علاوہ کچھ ایسی آیتیں بھی ہیں جن سے بطور اشارہ اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ یہ عقیدہ صحابہ کرام کے دور ہی موجود ہے مثلاً حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق قرآن میں ہے۔

فَطْلِقْ اَنْ لَّنْ نَقْدِرَ اَنْهَوْں نے خیال کیا کہ ہم مواخذہ علیہ نہ کریں گے۔

یعنی حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی سرکش قوم سے تنگ آکر یہ طے کر لیا کہ اب ان کے درمیان قیام نہ کرنا چاہئے اور انہوں نے اس کے قبل ہی اپنی قوم کو چھوڑ دیا کہ اس سلسلے میں انہیں خدا کی طرف سے کوئی حکم ملتا۔ انہوں نے خیال کیا کہ ہمارا یہ قدم بڑے لوگوں سے بیزاری اور برأت ظاہر کرتا ہے اس لئے اس پر کسی مواخذہ کا امکان نہیں ہے۔

بھی واقعہ کی طرف مذکورہ آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔  
پس لفظ نَقْدِرَ نَحْكُمُ کے معنی میں ہے لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تقدیر کو قدرت سے ماخوذ سمجھا جس کی وجہ سے آیت کا یہ مفہوم ہو گیا کہ حضرت یونس نے خیال کر لیا کہ اللہ تعالیٰ ہم پر قدرت رکھتا نہیں رکھتے ظاہر ہے کہ کسی پیغمبر کے بارے میں اس عقیدے کا تصور کرنا کرنا کسی موقع پر بھی اپنے آپ کو خدا اور تعالیٰ کی قدرت سے باہر سمجھتے ہوں سراسر ان کی عصمت کے منافی ہے۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ کے ذہن میں فوراً یہ انکشاف ہوا کہ یہ معنی جو آیت کے ظاہری الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے اس آیت کو احمد ابن مسری نے عصمت انبیاء کے خلاف پیش کیا ہے۔ جواب حضرت ابن عباس کی وضاحت سے ظاہر ہے۔

انبیاء کرام کی عصمت کے سراسر خلاف ہے چنانچہ اس شبیبے کی وجہ سے انہیں بڑی بے چینی ہوئی وہ حضرت ابن عباس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا شبہ ان کے سامنے پیش فرمایا۔ حضرت ابن عباس نے وضاحت فرمائی کہ اس آیت کے اندر لفظ "نقدیر" قدرت سے مشتق نہیں ہے بلکہ اس کا ماخذ قدر ہے جو حکم کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اس لئے آیت کا مفہوم انبیاء کرام کی عصمت کے منافی نہیں ہے اس واقعے میں اس بات کا واضح ثبوت موجود ہے کہ انبیاء کرام کی عصمت کا عقیدہ جمہور صحابہ میں معروف اور مسلم تھا اور نہ حضرت معاویہؓ کا شبہ کرنا اور اس کے ازالہ کے لئے اس قدر فکرمند ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا اور نہ حضرت ابن عباسؓ کے اس توضیح و وضاحت کی کوئی ضرورت پیش آتی۔ یہ واقعہ روح المعانی اور دوسری تفسیروں میں موجود ہے۔ تفسیر عارک کے اندر مندرجہ ذیل الفاظ میں واقعہ کا تذکرہ ملتا ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما  
انہ دخل بوماً علیہ معاویہ  
وقال لقد ضللتنی امرأۃ  
القرآن الباطلۃ فخرقت فیہا  
فلما اجد النفسی خلاصاً ازلتہا  
حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ  
ایک دن حضرت معاویہؓ ان کے پاس  
تشریف لائے اور کہنے لگے گذشتہ  
رات میں قرآن کی موجوں کے زو  
میں پڑ کر آپس غرق ہو گیا بس



وقال وما هي يا معاوية  
فقرأ الآية فقال اوبطن  
بنی اللہ ان لا یقدر قال  
هذا من القدر لا من  
القدر (مدارک مسیح)  
سے باہر ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے ارشاد فرمایا اس آیت میں لفظ تقدیر  
تدویر سے مانع ہے قدرت سے نہیں۔

نیز اس عقیدہ سے متعلق جہاں تک احادیث کا تعلق ہے تو اتحاد  
میں اس بات کا بڑا ذخیرہ موجود ہے کہ جس سے براہ راست عصمت  
انبیاء کے عقیدے پر روشنی پڑتی ہے اور اس امر کا واضح ثبوت  
فراہم ہوتا ہے کہ تمام صحابہ کرام انبیاء علیہم السلام کی عصمت کا عقیدہ رکھتے  
تھے اس سلسلہ کی بعض حدیثیں اپنے موقع پر نقل کی جائیں گی۔ یہاں  
صرف ایک حدیث نقل کی جاتی ہے جو اس عقیدے پر پوری صراحت  
سے دلالت کرتی ہے۔ مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والنسۃ  
کی فصل اول میں بخاری و مسلم کے حوالے سے یہ حدیث مذکور ہے  
عن النبی قال جاء قلثہ رطب  
الی ازواج النبی صلی اللہ علیہ  
میں کوئین صحابہؓ حضور اکرمؐ کی

یسئلون عن عبادۃ النبی  
صلی اللہ علیہ وسلم فلما  
اخباروا بها کانہم تقالوا  
فقالوا ین نحن من النبی  
صلی اللہ علیہ وسلم قد  
غفر اللہ لہ ما تقدم  
من ذنبہ وما تاخر  
(مشکوٰۃ ص ۲ ج ۱)

ہمارا ان سے کیا جوڑے  
حدیث کے آخری ٹکڑوں میں دو بات کی ابھی طرح وضاحت ملتی  
ہے پہلی بات تو یہ کہ اس جملے سے یہ چیز ضرورتاً سمجھی جاتی ہے کہ صحابہ کرامؓ بالاجماع  
حضورؐ کی عصمت کا عقیدہ رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے یہ فرمایا کہ  
ہمارا ان سے کیا جوڑے یعنی چھ نسبت خاک را با عالم پاک چنانچہ صحابہؓ  
کرام کے اس جملہ کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں۔  
فقالوا ین نحن من النبی  
صلی اللہ علیہ وسلم ای بینا وینہ  
ہوئے بعد فنا علی حد  
صحابہ کرامؓ نے کہا ہمارا حضورؐ سے  
کیا جوڑے یعنی ہمارے اور ان کے  
درمیان بہت بڑا فرق ہے کیونکہ

التقریب در سوء العاقبہ  
 دھوم معصوم مامون الخاتمہ  
 (مرقات ص ۱۱۲)

آگے چل کر مزید اسی سلسلہ میں تقریر فرماتے ہیں۔

وقال بعض المحققين واجماع  
 الصحابة على ان النبي صلى الله عليه وسلم في اقواله وافعاله  
 وسائر احواله حتى في كل حاله  
 من غير رجعت ولا تفكير بل بمجرد  
 علمهم اذ علمهم بصدور ذلك  
 منه دليل قاطع على اجماعهم  
 على عصمته وتنزهه على ان  
 يجري على ظاهره  
 او باطنه شيء لا يتأثر به  
 فيه مماله يقر  
 دليل على اختصاصه  
 به۔

بعض محققین کا کہنا ہے کہ تمام صحابہ کرام بلا کسی پس و پیش کے ہر حالت کے اندر آنحضرت کے تمام احوال اعمال و اقوال اور جملہ معاملات میں آپ کی پیروی کرنے پر اجماع کر لینا بلکہ ان اقوال و اعمال کے صادر ہونے کا یقین یا گمان غالب حاصل ہو جانے کی وجہ سے واجب الاتباع ہوئے پر صحابہ کا اجماع کر لینا اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ وہ آپ آنحضرت کی عصمت کے قائل تھے اور آپ کی ذات کے لئے مخصوص ہونے کی دلیل نہ پانے کی صورت میں

(مرقات ص ۱۱۲)  
 کوئی ایسی چیز لائق پیروی نہ ہو اس

آپ کے ظاہر و باطن کو پاگالتے تھے اس حدیث کی تشریح کو پڑھ لینے کے بعد ناظرین کے لئے اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں کوئی تردد نہ ہونا چاہیے کہ صحابہ کرام بلا کسی اختلاف کے عصمت انبیاء کرام کا عقیدہ رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی امر کے متعلق جب انھیں یہ یقین ہو جاتا تھا یا اس بات کا گمان غالب ہی ہو جاتا کہ یہ چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تو کسی تأمل اور کسی غور و فکر کے بغیر اپنے لئے نمونہ تصور کرتے تھے کیونکہ جملہ اعمال و افعال میں آنحضرت کی زندگی کو اللہ تعالیٰ نے واجب الاتباع قرار دیا ہے چنانچہ فرمایا گیا۔

لقد خي رسول الله  
 اسوۃ حسنۃ  
 کامیاب نمونہ موجود ہے۔

صحابہ کرام اس آیت کے حقیقی مفہوم کو اچھی طرح سمجھتے تھے اس لئے وہ آنحضرت کی عصمت ماننے پر مجبور تھے کیونکہ اگر آپ کو معصوم نہ مانا جائے اور گناہ کا وقوع آپ سے بھی جائز مان لیا جائے تو پھر لازم آئے گا کہ یا تو آپ کی اس گناہ میں بھی پیروی کی جائے اور یا پھر آپ کی ساری زندگی کو ہر موقع پر نمونہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جائے۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں ہدایت غلط ہیں۔

حدیث مذکور کے آخری جملے سے دوسری بات یہ بھی بالکل صاف طریقے سے معلوم ہوتی ہے کہ صحابہ کرام قرآن شریف کی اس آیت کو عصمت کے خلاف نہ سمجھتے تھے یعنی اللہ کا یہ ارشاد: لیغفر الذنوب ما تقدم من ذنبك وما تأخر

صحابہ کرام کے نزدیک عقیدہ عصمت کے خلاف ہرگز نہ تھا بلکہ ان کے خیال میں اسی آیت سے عقیدہ عصمت کا ثبوت نکلتا ہے یہی وجہ ہے کہ حدیث مذکور کے آخری جملے میں انھوں نے آنحضرتؐ کی بے گناہی پر ایسی احکامی آیت سے استدلال کیا ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آیت مذکور کے اندر اگلے گناہوں کے بخشنے کا ذکر ہے جس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ گناہوں کا وقوع ان سے ہو چکا ہے۔ اس لئے کہ اگر گناہ واقع ہی نہ ہوتا تو حضرت کس چیز کی کی جاتی۔ یہ استدلال بالکل غلط ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کا جو معنی و مفہوم صحابہ کرام سے منقول ہے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توثیق حاصل ہے لہذا خداوند تعالیٰ کی مراد بھی وہی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی اگر صحابہؓ سے غلط فہمی ہوئی ہوتی تو اس کا ازالہ کر دیا جاتا یا تو یہی بات کہ گناہ لے اس آیت سے عصمت کے خلاف احمد ابن مہر کے استدلال کیا ہے جو اب تفصیل مذکور سے ظاہر ہے۔

کا وقوع اگر ہوتا ہی نہیں تو مغفرت کس چیز کی ہوتی اور لفظ گناہ کا اطلاق کس حقیقت پر کیا گیا تھا تو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ اکابر مفسرین نے آیت کے تحت مختلف جوابات تحریر فرمائے ہیں جس کے بعد نام شہادت کا عدم ہو کر رہ جاتے ہیں اس جگہ ان میں سے صرف دو جواب نقل کرنا کافی سمجھتا ہوں۔ ملا علی قاریؒ نے حدیث کے آخری جملے کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

ثم الذنب ما لم تتبعه ذنبة  
او دنیویة ما خود من الذنوب  
ولما كان النبي صلی اللہ علیہ  
وسلم معاتباً بترک الاولی  
فاکیداً للعصمة اطلق علیه  
اسم الذنب او لیکون  
من باب حسنات الاموار  
سیئات المقربین۔ قال  
ابن حجر ای ستر بدینہ  
وبدینہ بعصمة منه فلم  
یمکن صدورہ منه

گناہ اس کو کہتے ہیں کہ جس پر آخرت  
یا دنیا میں کوئی مواخذہ مرتب ہو یہ  
لفظ ذنب سے ماخوذ ہے چونکہ آنحضرت  
صلی اللہ سے خلاف اولیٰ عمل کے  
صادر ہونے پر عصمت میں قوت  
پیدا کرنے کے لئے مواخذہ ہوتا  
تھا اس لئے اس پر گناہ کا لفظ اطلاق  
کیا گیا یا اس لئے کہ اچھے لوگوں کی  
نیکیاں بھی مقررین کے لئے قصور  
کا درجہ رکھتی ہیں مشہور ہے کہ  
مقربان را بیش بود حیرانی

و لو صغیرۃ قبل  
النبوۃ علی الامح  
هذا معنی المغفرة  
فی حق الانبیاء  
و معناها فی غیر  
هم ستر بینهم  
و بین عقوبت  
ذلو بهم۔

(مرفعات)  
صفحہ ۱ ج ۱

ابن حجر کہتے ہیں کہ گناہ معاف کرنے  
کا یہ مطلب نہیں ہے کہ گناہ واقع ہوا  
کے بعد معاف کیا گیا بلکہ مطلب یہ ہے  
کہ گناہ اور پیغمبر کے درمیان خدا نے  
ایک پردہ حائل کر دیا۔ اس لئے اس  
کسی گناہ کا دافع ہونا توں صحیح کے  
مطابق ممکن ہی نہیں ہے اگرچہ قبل  
نبوت ہو اور صغیرہ ہی کیوں نہ ہو  
انبیاء کے حق میں مغفرت کا یہی  
معنی ہوتا ہے ان کے علاوہ دوسروں  
کے حق میں مغفرت کا معنی یہ ہے کہ  
ان کے درمیان اور ان کے گناہوں کی  
سزا کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیا جائے  
ملا علی قاری کے اس بیان سے یہ بات اصولی طور پر سمجھ میں  
آگئی ہوگی کہ انبیاء کرام علیہم السلام کیلئے جہاں جہاں بھی مغفرت کرنے  
کا تذکرہ ملتا ہے وہاں اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ ان کی ذوات مقدسہ  
اور گناہوں کے درمیان رکاوٹ قائم کر دی گئی ہے تاکہ کسی گناہ کا

صدر نہ ہو سکے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ان سے گناہوں کا صدور ہو چکا ہے  
مگر ان کی سزائیں معاف کر دی گئی ہیں نیز ملا علی قاری کے اس بیان سے  
یہ چیز بھی معلوم ہوگئی کہ قرآن وحدیث میں انبیاء کرام کے کسی عمل کو اگر گناہ  
سے تعبیر کیا گیا ہے تو وہ گناہ کے حقیقی معنی میں نہیں ہے جس پر دنیا و آخرت  
میں کسی سزا کا مرتب ہونا لازم آئے بلکہ کسی خلافِ اولیٰ اور ایسے امر پر لفظ  
گناہ کا اطلاق کیا گیا ہے جو ان کے حق میں شایانِ شان نہ تھا یعنی وہ امر  
جو گناہ کہا گیا ہے درحقیقت اجتہاد اور رائے کی غلطی ہے جس پر نہ  
تو کسی سزا کا مرتب ہوتا ہے اور نہ ہی وہ چیز حقیقتاً گناہ ہوتی ہے کہ اس  
کو عصمت کے منافی سمجھا جائے بلکہ گناہ کے بجائے ان کو اس فعل پر ایک  
اجرم ملتا ہے کیونکہ انہوں نے اپنی وسعت خدا کی مرضی تلاش کرنے میں خرچ  
کی ہے اور امکانی کوشش سے باز نہیں آئے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس قسم  
کی کسی نفوذ کے سبب نہ تو ان کے اندر فرق کا وجود ماننا صحیح ہے  
اور نہ ان کے وجہ سے ان کی عصمت اور عدالت و تقابست میں کوئی فرق  
پیدا ہوتا ہے چنانچہ اہلسنت و اجماعت کے اکابر نے مندرجہ ذیل اصول  
میں اسی بات کی وضاحت کی ہے علامہ آلوسی تحریر فرماتے ہیں۔

فلا تالحد الہ لا تنافی پس (عصمت و عدالت کے منافی  
الخطائی الا اجتہاد اذ لا اجتہاد کی غلطی نہیں ہو سکتی کیونکہ اجتہاد



نقص نہ کیف و المجتہد غلطی کسی گناہ کا نام نہیں ہے اور  
المحظوظ ما جور۔ اسے گناہ کیونکہ کہا جاسکتا ہے  
(رد المحتار ص ۲۷۷) جب کہ اس غلطی کا مرتکب ہونے والا  
جبر و ثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

یہ تفصیل اس جواب کا حاصل ہے جو ملا علی قاریؒ کے حوالے سے اوپر  
نقل کیا گیا لیکن اسی شبہ متعلق ایک دوسرا جواب یہ بھی ہے جس کا تذکرہ  
شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ان الفاظ میں فرمایا ہے۔

و در توجیہ غفران ذنوب آنحضرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گناہوں  
صلی اللہ علیہ وسلم کہ قرآن مجید برآں کی مغفرت جس پر قرآن ناطق ہے  
ناطق است اقوال است بہترین اس کی توجیہ میں بہت سے اقوال ہیں  
اقوال آئنت کہ ایں کلمہ تشریف است ان سب میں بہتر قول یہ ہے کہ عزت  
مرآنحضرت را از جانب مولیٰ تعالیٰ انزال کا جملہ ہے جو خاص آنحضرت  
ہے آنحضرت ذنوب وجود داشتہ باشد صلی اللہ علیہ وسلم کو خداوند تعالیٰ کی  
چنان کہ صاحب مر بندہ خود را طرف سے بطور شرف عطا کیا گیا ہے  
نگوید کہ گناہان ترا بخشیدم۔ تو اس کے بغیر کہ آپ کے لئے کسی گناہ  
فارغ البال باش و پوج اندیشہ کا وجود مانا جائے جیسے کہ آقا اپنے  
مکن اگر چہ آں بندہ گناہ غلام سے کہتا ہے تم فکرتہ کرد اور بالکل

نہ داشتہ باشند۔ مطمئن رہو تمہارے گناہ ہم نے معاف  
راشمۃ اللغات ص ۱۳۱) کر دیئے اگرچہ اس وقت تک (غلام

سے کوئی گناہ بھی وقوع میں نہیں آیا ہو۔  
یعنی جس طرح بڑے لوگ اپنے چھوٹوں کی عزت افزائی اور  
طیب خاطر کے لئے اپنے تعلق و محبت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے  
ہیں جاؤ تمہارے سب قصور معاف کر دئے حالانکہ اس بیچارے  
سے کوئی قصور بھی نہیں ہوا ہوتا لیکن پھر بھی یہ جملہ محاورے میں درست  
سمجھا جاتا ہے اور جس کے حق میں استغاث کیا گیا ہے وہ اس جملے کو اپنے  
لئے باعث شرف تصور کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے جملوں  
سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ شرف عطا فرمایا ہے اور آپ سے اپنے  
غایت تعلق و محبت کا اظہار فرمایا ہے۔

گزر چکا ہے کہ احمد امین  
احمد امین مصری کا استدلال غلط ہے | مصری صاحب تصحیف

انبیاء کے عقیدے کو در صحابہ کے بعد کی ایجاد قرار دیا ہے اور اس  
عقیدے کو صریح قرآن کے خلاف بتایا ہے لیکن جہاں تک اپنے اس  
دعوے کے حق میں ثبوت فراہم کرنے کا تعلق ہے تو احمد امین صاحب نے اس پر  
نہ کسی قابل اعتماد شخص کی کوئی تائید نقل کی ہے اور نہ ہی اسلامی کتابوں

کے ذخیرے میں تلاش و جستجو کے باوجود شخص کوئی ایسی چیز دستیاب ہو سکی ہے جسکو وہ اپنے دعویٰ کے لئے بطور دلیل پیش کر سکے۔ بڑی کد و کاوش کے بعد امام غزالیؒ کی ایک عبارت کو مفید مطلب سمجھتے ہوئے انھوں نے بے جگہ استعمال کر کے اس سے اپنا عقیدہ کشید کرنا چاہا ہے۔ چنانچہ بڑے فخر کے ساتھ لکھتے ہیں۔

ويعجبني في ذلك قول الفزا  
في التوبة وليس في الوجود  
أدعى إلا وشهونه سابقة  
وعز يزنه التي هي علة  
الشیطان متقدمة على غرضه  
التي هي علة الملكة فكان  
الرجوع إليه على  
مساعدته الشهوات  
ضروريًا في حق كل  
إنسان نجسًا كان  
أو غيبًا فلا تظن  
أن هذه الضرورة

امام غزالیؒ کا قول جو توبہ کے متعلق  
انھوں نے لکھا ہے وہ مجھے سید  
پسند آیا وہ یہ کہ وجود میں کوئی  
آدمی نہیں مگر یہ کہ شہوت اس کے  
اند عقل کی آمد سے پہلے ہی پائی  
گئی ہے اور وہ فطری مادے جو شیطان  
و سائل میں انسان کی ان قوتوں پر  
جو فرشتگانہ ہیں مقدم ہوتے ہیں لہذا  
جو شہوانی تقاضے کی موافقت کا  
جذبہ انسان میں پہلے سے موجود ہے  
اس سے رجوع کرنا ہر شخص کے  
لئے ضروری ہوگا چاہے یہ نبی ہو یا

اختصت بآدم عليه  
السلام۔  
عجب بنا بریں تھیں یہ نہ سمجھنا چاہئے  
کہ توبہ و رجوع کی ضرورت صرف آدمؑ  
کے لئے خاص ہے۔

ولهذا قال عليه السلام  
انه ليغان على قلبي حتى  
استغفر الله في اليوم  
الليل سبعين مرة۔  
اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد  
ہے کہ بلاشبہ میرے قلب پر ایسا  
(غفلت) چھا جاتا ہے حتیٰ کہ میں  
دن رات میں ستر مرتبہ خدا سے استغفار  
کرتا ہوں۔

دفعی الاسلام صفحہ ۲۳  
کتاب کے حاشیہ میں احمد امین صاحب "اختصت بآدم عليه السلام" کے  
متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

يشير الخ قولہ تعالى  
وعصى آدم دجبه فغوى  
ثم اجتباه دجبه  
فتاب عليه وهدى  
وحاشية طبعی الاسلام  
صفحہ ۲۳، ۲۴  
یعنی امام غزالیؒ کا ارشاد اللہ تعالیٰ  
کے اس ارشاد کی طرف ہے آدمؑ نے  
اپنے رب کی نافرمانی کی اور کھینک  
گئے پھر خدا نے ان کا انتخاب کیا  
اور ان کی توبہ قبول کی اور  
رہنمائی فرمائی۔

اس جگہ بھی احمد امین مصری صاحب اپنی کج رجوعی اور غلط فہمی

کی وجہ سے یا تو خود فریب کا شکار ہوئے ہیں یا پھر انھوں نے قصداً دوسروں کو فریب دینا چاہا ہے اس لئے کہ آیت مذکورہ بالا کی طرف امام غزالیؒ کا اشارہ ہرگز نہیں ہے جیسا کہ احمد امین صاحب ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں بلکہ امام غزالیؒ کا اشارہ درج ذیل مشہور آیت کی طرف ہے جس میں آدم علیہ السلام کے اعتراف اور توبہ و رجوع کی صراحت بھی پائی جاتی ہے اس کے برخلاف یہ باتیں گزشتہ آیت میں موجود نہیں ہیں بلکہ اس آیت میں تو صرف واقعہ کا بیان اور حکایت کی نقل کا تذکرہ ہے وہ آیت مشہور یہ ہے۔

وَبَنَّا ظُلُمًا نَفْسًا وَادَّٰرَۃً ۙ اَسْمٰرًا ۙ  
لَعَنَّا نَفْسًا وَادَّٰرَۃً ۙ اَسْمٰرًا ۙ  
لَعَنَّا نَفْسًا وَادَّٰرَۃً ۙ اَسْمٰرًا ۙ  
لَعَنَّا نَفْسًا وَادَّٰرَۃً ۙ اَسْمٰرًا ۙ

لیکن اس آیت میں چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے توبہ کرنے اور مغفرت کی درخواست کرنے کا ذکر ہے احمد امین صاحب کو حضرت آدم کی طرف عصیان و غواہیت کی نسبت اس کے اندر نہیں لی سکتی تھی جس سے وہ اپنا عقیدہ ثابت کر سکتے اس لئے انھوں نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ امام غزالیؒ کا اشارہ اس آیت کی طرف موڑ دیا جو بنظر ہر

ان کے خیال میں آدم علیہ السلام کی طرف غواہیت و عصیان کے نسبت کی وجہ سے عصمت انبیاء کے خلاف معلوم ہو رہی تھی بایں ہمہ اصولاً امام غزالیؒ کی اس عبارت کا مقصود بھی وہ نہیں ہے جو احمد امین مصریؒ ناظرین کے ذہن میں اتارنا چاہتے ہیں جیسا کہ امام غزالیؒ کی اس عبارت کے متعلق آئندہ صفحات میں تفصیلی نقد و تبصرہ سے واضح ہو جائیگا ان باتوں کے علاوہ ایک بنیادی بات سوچنے کی یہ بھی ہے کہ امام غزالیؒ کا یہ بیان کہ خواہشات نفس کے تقاضے اور شیطانی قوتوں کا تسلط ہر انسان کے اندر خیر و صلاح کی آمد سے پہلے ہی پایا جاتا ہے۔ یا مخصوص انبیاء کرم کے سلسلہ میں ان کی یہ تحقیق اور اس پر حدیث و رائے لا ینفان علی قلبی سے استدلال کرنا کسی طرح سے درست نہیں ہے جیسا کہ اس مسئلہ کی تحقیق ناظرین کے سامنے آئندہ پیش کی جائیوالی ہے اس وقت امام غزالیؒ کے اس نظریے کی کمزوری واضح کر دی جائیگی مختصر اس حدیث کے متعلق اتنی بات یہاں بھی سمجھ لینی چاہئے کہ نہ تو اس حدیث میں خیر و صلاح کی آمد پہلے قوت شر کے موجود ہونے کا کوئی تذکرہ ہے اور نہ ہی عقیدہ و عمل کی کسی خرابی کا ذکر ہے اس لئے اس حدیث کے ذریعہ تو امام غزالیؒ کا نظریہ ثابت ہوتا

ہے اور نہ احمد امین مصری صاحب کا عصمتِ انبیاء کے خلاف استدلال کرنا ہی درست ہوتا ہے کیونکہ حدیث کا صاف اور واضح مطلب صرف یہ ہے کہ انسانی قلب کی کیفیت ہمیشہ یکساں نہیں رہتی بلکہ مختلف حالات اور اوقات میں قبض و بسط، غفلت و بیداری اور انشراح و انقباض کی مختلف کیفیات اس پر طاری ہوتی رہتی ہیں اس طرح قلب پر مختلف کیفیتوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے پس بسط و انشراح کی کیفیتوں کا زائل ہو جانا اور اس کی جگہ قبض و غفلت کی کیفیتوں کا آ جانا گویا پہلی کیفیت کے درمیان دوسری کیفیت غفلت نہ کہ حائل ہو جاتی ہے یہ چیز تمام انسانوں میں ایک فطری امر ہے جس سے کوئی فرد شذیج نہیں سکتا۔ بنا بریں پہلی کیفیت کے حصولِ اعادہ کے لئے اور دوسری کیفیت سے پیدا شدہ ابر غفلت کو زائل کرنے کی غرض سے توبہ استغفار کے نام ایک دوسری چیز ہے اور اس سے قوتِ شر کے مقدم ہونے یا کسی نبی کے غیر معصوم ہونے پر استدلال کرنا بالکل دوسری گات ہے۔ دونوں باتوں کے اندر بہت واضح اور عظیم فرق ہے جسکو محسوس نہ کرنا سراسر زیادتی اور کج فہمی ہے۔ بہر حال احمد امین مصری صاحب نے انبیاء کرام کی عصمت کے سلسلہ میں جو خیالی ظاہر کیا تھا اسی سے متاثر ہو کر ہندوپاک کے مشہور مصنف ابوالاعلیٰ مودودی

صاحب نے بھی عصمتِ انبیاء کے متعلق اسی انداز کے خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔

**عصمتِ انبیاء اور سید ابوالاعلیٰ مودودی** | جو لوگ مودودی صاحب کے

اندازِ فکر اور طریقِ مطالعہ سے واقف ہیں انھیں اس بات کے یادر کرنے میں کوئی تاخیر نہ ہوگا کہ احمد امین مصری صاحب سے ہی انھوں نے اس مسئلہ میں اثر قبول کیا ہے اور بلاشبہ مودودی صاحب نے عصمتِ انبیاء کے مسئلہ میں احمد امین مصری صاحب کے اندازِ فکر سے کام لیا ہے بلکہ کوئی عجب نہیں کہ مودودی صاحب نے احمد امین مصری کی کتاب مذکور سے براہِ راست اس نظریہ میں استفادہ کیا ہو بہر صورت معاملہ جو بھی ہو مودودی صاحب بھی عصمتِ انبیاء کے مسئلہ میں اسی راہ پر چلے ہیں جس کی رہنمائی ان سے قبل احمد امین مصری صاحب کر چکے ہیں چنانچہ مودودی صاحب فرماتے ہیں۔

عصمت دراصل انبیاء علیہم السلام کے لوازم ذات سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو منصب نبوت و رسالت کی ذمہ داریاں صحیح طور پر ادا کرنے کے لئے مصلحتاً خطاؤں اور لغزشوں سے محفوظ فرمایا ہے۔



۲۔ ورنہ اگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت تھوڑی دیر کے لئے بھی ان سے منفک ہو جائے تو جس طرح عام انسانوں سے بھول چوک اور غلط فہمی ہو جاتی ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام سے بھی ہو سکتی ہے۔  
۳۔ اور یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اٹھا کر ایک دو نفر شریعت پروردگار سے دی ہے۔

۴۔ تاکہ لوگ انبیاء علیہم السلام کو خدا نہ سمجھیں اور جان لیں کہ یہ بشر ہیں خدا انہیں ہیں (تفہیمات ص ۳۳)

چونکہ مذکورہ عبارت انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے مسئلہ میں مودودی صاحب کے بنیادی نظریے کی وضاحت کرتی ہے اس لئے بڑی احتیاط اور دیانت داری کے ساتھ یہ عبارت حرف بحرف ان کی کتاب تفہیمات جلد دوم ص ۳۳ سے نقل کی گئی ہے۔

عبارت کے تمام جملوں پر نمبرات قائم کرنے کی غرض سے اس کو چار حصوں میں تقسیم کر لیا گیا ہے تاکہ ہر جملے پر الگ الگ تبصرہ کیا جاسکے اور ناظرین کے لئے سہولت فہم کا ذریعہ بن جائے۔ مودودی صاحب کی اس عبارت سے عصمتِ انبیاء کے مسئلہ میں ان کا بنیادی نظریہ واضح ہو جاتا ہے اس پر جب بحث و تنقید کی جاتی ہے تو ان کے بعض

ہوا خواہوں اور معتقدین کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ مودودی صاحب کی یہ عبارت اپنے مفہوم میں محمل اور ناقص ہے اور اس بات کے باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ مودودی صاحب نے اس عبارت میں جو بات کہنا چاہا ہے وہ پوری طرح صاف نہیں ہو پائی ہے اس لئے ان کی اس عبارت کا مقصود انہیں کی درج ذیل تشریح کو سامنے رکھ کر متعین کرنا چاہیے۔ بنا بریں ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم کسی گفتگو کو شروع کرنے سے پہلے مودودی صاحب کی تشریحی عبارت کو بھی نقل کر دیں۔ وہ تشریحی عبارت سوال و جواب کی شکل میں جس طرح ان کی اصل کتاب میں ہے بلفظ نقل کی جاتی ہے۔

سوال :- یہ امر مسلم ہے کہ نبی موصوم ہوتے ہیں مگر آدم علیہ السلام متعلق قرآن کے الفاظ صریحاً ثابت کر رہے ہیں کہ آپ نے گناہ کیا اور حکیم عدلی کی جیسے ولا تفسر باہذہ الشجرۃ فتکون امن النظمین کی آیت ظاہر کر رہی ہے۔ اس سلسلہ میں اپنی تحقیق کے نتائج سے مستفید فرمائیں۔

جواب :- نبی کے موصوم ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فرشتوں کی طرح اس سے بھی خطا کا امکان سلب کر لیا گیا ہے بلکہ اس کا مطلب دراصل یہ ہے کہ نبی اول تو دانستہ نافرمانی نہیں کرتا اور اگر اس سے غلطی سرزد ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس غلطی پر قائم نہیں رہنے دیتا۔ پھر یہ بات

بھی لائق غور ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے جو نافرمانی سرزد ہوئی تھی وہ نبوت کے منصب پر سرفراز ہونے سے پہلے کی ہے اور قبل نبوت کسی نبی کو وہ عصمت حاصل نہیں ہوئی جو نبی ہونے کے بعد ہوا کرتی ہے۔ نبی ہونے سے پہلے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی ایک بہت بڑا گناہ ہو گیا تھا کہ انھوں نے ایک انسان کو قتل کر دیا۔ چنانچہ جب فرعون نے ان کو اس فعل پر ملامت کی تو انھوں نے بھرے دربار میں اس بات کا اقرار کیا کہ فعلہما اذاً وانا من الضالین واللہ اعلم فی فی فعل مجھ سے اس وقت سرزد ہوا جب راہ ہدایت مجھ پر کھلی نہیں تھی۔ مختصراً یہ بات اصولی طور پر سمجھ لیجئے کہ نبی کی معصومیت فرشتے کی سی معصومیت نہیں ہے کہ اسے خطا اور غلطی اور گناہ کی قدر ہی حاصل نہ ہو بلکہ وہ اس معنی میں ہے کہ نبوت کے ذمہ دارانہ منصب پر سرفراز کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ بطور خاص اس کی حفاظت و نگرانی کرتا ہے اور اسے غلطیوں سے بچاتا ہے اور اگر کوئی چھوٹی موٹی لغزش اس سے سرزد ہو جاتی ہے تو وحی کے ذریعہ سے فوراً اس کی اصلاح کر دیتا ہے تاکہ اس کی غلطی ایک پوری امت کی مگرہی کی وجہ نہ بن جائے (ترجمان القرآن رجب شوال ۱۴۲۸ھ جولائی اکتوبر ۱۴۲۸ھ) از رسائل و مسائل حصہ اول صفحہ ۲۵ طبع اول اگست ۱۹۹۲ء

موردی صاحب کے عقائد و افکار میں عبارتوں کے ذریعہ سامنے آجائے

کے بعد ضروری ہو جاتا ہے کہ ان کے خیال کی کمزوریوں کی نشاندہی کر دی جائے اور یہ واضح کر دیا جائے کہ ان کا نظریہ اہلسنت والجماعت کے متفقہ عقیدہ سے کس قدر مختلف ہے اور اس کے دو درجہ نتائج اور نقصان وہ پہلو کیا کیا ہیں لیکن ان باتوں کا سمجھنا جب ہی ممکن ہے کہ پہلے اصل مسئلے کی تمام تفصیلات معلوم ہو جائیں اور اس عقیدے سے متعلق اہل سنت والجماعت کا جو موقف ہے اس کو روشنی میں لایا جائے تاکہ آسانی کے ساتھ ناظرین اس اختلاف کی نوعیت کو سمجھ سکیں۔ بنا بریں سب سے پہلے عصمت کا معنی و مفہوم اور اہلسنت کے نزدیک جو اس لفظ کی تعریف و حقیقت ہے اس کو تحریر کر دینا ضروری ہے چنانچہ حوالوں کے ساتھ عصمت کی تعریف پیش خدمت ہے۔

علامہ محب اللہ بہار می سلم النبوت میں  
عصمت کا مطلب کیا ہے | اور علامہ عبدالحی سبزواری اس کی شرح نواح الرحمت میں رقم طراز ہیں۔

دھی عدم قد دتہ العصیۃ عند	عصمت بعض لوگوں کے خیال میں معصیت پر
البعض و نسبة بعض الردافض	قدرت نہ ہونے کے مرادف ہے بعض انصاف
الحی الشیخ ابی الحسن اشعری	نے اس خیال کو بھی برکس اشعری کی طرف منسوب
قدس سترۃ وھی خلق مانع	کر دیا ہے حالانکہ ان کا یہ مسلک نہیں ہے دیکھئے
عنہ ان تکاب العصیۃ غیر ملج	شرح موافق، یا یہ عصمت ایسی فطری صفت

حتی لا یكون المحصون مضطراً فی  
 نوله العصیة فی فعل الواجب  
 وهو المختار عند  
 الحیثود -  
 (خواتم الحیثود ص ۲۴)  
 ہے جو معصیت کے ارتکاب سے روکتی  
 ہے مگر بے اختیار نہیں بنا دیتی کہ معصوم  
 گناہ سے پرہیز کرنے یا کسی واجب فعل  
 کام کے کرنے پر مجبور اور بے بس سمجھا  
 جائے جبور راہبنت اشاعرہ و ماتریدیم  
 کا مسلک مختار بھی ہے ۔

عصمت کے مفہوم کے سلسلہ میں دو نقطہ باری نظر ہیں۔ پہلا نقطہ  
 نگاہ شیوا اور بعض معتزلہ کا ہے وہ یہ کہ کسی کے معصوم ہونے کا مطلب یہ ہے  
 کہ کسی قسم کے گناہ کرنے کی اس میں قدرت ہی نہیں ہے گویا سلب امکان اور  
 بے قدرتی ہی کا دوسرا نام عصمت ہے۔ اس کے برخلاف اہل سنت و الجماعت  
 کا نقطہ نظر یہ ہے کہ بے قدرتی اور سلب امکان کا نام عصمت نہیں ہے بلکہ  
 جملہ معاصی کے ارتکاب کی صلاحیت اور اس پر مکمل قدرت و اختیار ہونے  
 کے باوجود معصوم کبھی بھی کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کرتا ہے گویا معصومیت  
 بے اختیاری کا نام نہیں ہے بلکہ اختیار و قدرت کے باوجود بے گناہی کا  
 نام معصومیت ہے اور یہ پیدائشی خصلت جو گناہ سے باز رکھتی ہے اسی  
 کو عصمت کہتے ہیں۔ حاشیہ نیز اس میں ہے ۔

العصمة ان لا یجعل الله فی  
 عصمت یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ بندے کو

العبد الذنب مع بقاء قدرته و  
 اختیار (حاشیہ نیز اس ص ۲۳)  
 ارتکاب پر قدرت و اختیار باقی ہو۔  
 علم عقائد کی مشہور کتاب شرح فقہ اکبر میں علامہ علی قاریؒ تصریح  
 فرماتے ہیں ۔

اختلف الناس فی کیفیت العصمة  
 فقال بعضهم هی محض فضل الله  
 تعالیٰ بحيث لا اختیار للعبد  
 فیہ وذلک ما بخلقهم  
 علی طبع یخالف غیرهم  
 بحيث لا یمیلون الی المعصية  
 ولا ینفردون عن الطاعة  
 قطع المشکوکة واما  
 بصرف هتمهم عن السيئات  
 وحبذ بهم الی الطاعات  
 جبراً من الله تعالیٰ بعد  
 ان اودع فی طبعهم  
 مافی طبع کح البشر  
 لو کہ عصمت کی کیفیت میں مختلف النحال  
 ہیں بعض کہتے ہیں کہ محض عطیہ خداوندی  
 ہے جس میں بندے کے اختیار کی کوئی  
 گنجائش نہیں ہے پھر یہ لوگ عصمت  
 کی تعبیر میں دو گروہ ہو گئے اور یہ اس  
 طرح حاصل ہوتا ہے کہ معصوموں کی  
 تخلیق ہی ایسے مزاج پر مانی جائے جو  
 ان کے علاوہ دوسروں سے بالکل جدا  
 ہو کہ معصیت کی طرف توجہ کرنا اور طاعت  
 سے بے توجہی برتنا ان کے بس ہی میں  
 رہے جیسے کہ فرشتوں کا مزاج ہے  
 اور یا پھر یہ کہا جائے کہ جو باتیں دوسری  
 انسانی طبیعتوں میں پائی جاتی ہیں وہ تو

و قال بعضهم العصمة  
فصل الله ولطفه و  
لكن على وجه يسقط  
اختيارهم بعد العصمة  
في الاقتداء على الطاعة  
والاستماع عن العصمة  
والله مال الحشج  
ابو منصور الماتريدي  
حيث قال العصمة  
لا تزيل المحنة  
اي الاستلاء  
الا متعاند يعني لا  
تجبرك على فعل الخير  
ويجبرك عن الشر  
مع بقاء الاختيار  
تخفيفا للابتلاء والاختيار  
رشد في كبره تعالى (ص ۳۷)

ان مصوموں میں کبھی موجود ہیں مگر اس  
کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کا مزاج  
خیر کی طرف مائل کر کے سیئات سے  
ذہبتی روک رکھا ہے کہ اب وہ بے  
اختیار ہو گئے ہیں اور بعض لوگوں کا خیال  
ہے کہ عصمت خداوند تعالیٰ کا فضل علیہ  
و ضرور ہے لیکن اس کی صورت  
کہ خیر ہر اقدام کرنے اور مصیبت  
رہنے کا ان کے اندر راسخ ہے  
اسی نظریہ کی طرف شیخ ابو منصور ماتریدی  
کا رجحان ہے کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ عصمت  
تکلیف یعنی امتحان دکان مالش کا امکان  
ختم نہیں کر دیتی ہے مطلب یہ ہے  
کہ مصوم کو نیک کام کرنے پر عصمت مجبور  
نہیں کرتی لیکن برائی سے روکتی  
ہے اگرچہ کتاب کی قدرت باقی رہتی  
ہے تاکہ امتحان دکان مالش کا تحقق ہو سکے

شرح فقہ اکبر کے اس طویل اقتباس کا حاصل یہ ہے کہ عصمت کی  
حقیقت سے متعلق بنیادی طور پر دو قسم کے خیال ہیں۔ اول یہ ہے کہ عصمت  
اگرچہ باعطاء الہی حاصل ہونیوالی ہی نعمت ہے لیکن اس کے حاصل  
ہو جانے کے بعد بندہ میں گناہ کرنے کی قدرت باقی نہیں رہتی۔ گویا عصمت  
مصوم کے مصلوب القدرت یا قدرت سے محروم ہو جانے کا نام ہے پھر اس  
سلب امکان اور بے اختیاری کے جو لوگ قائل ہیں ان کے دو گروہ ہیں۔  
کچھ لوگ تو اس بات کے قائل ہیں کہ مصوم کی ذات فطری طور پر ان صلاحیتوں  
سے محروم ہی کر دی جاتی ہے جس سے گناہ کا امکان پیدا ہو یعنی ان میں عام  
انسانی طبیعتوں کی طرح گناہ کرنے کا مادہ ہی نہیں رکھا جاتا بلکہ وہ فرشتوں  
کی طرح گناہ کے ارتکاب کی قدرت ہی سے محروم ہیں لہذا ان میں اس کے ارتکاب  
کی قدرت باقی رہتی ہے اور نہ اختیار حاصل ہوتا ہے اور کچھ لوگ ان میں کے  
اس بات کے قائل ہیں کہ مصوم گناہ کی فطری صلاحیتوں سے محروم تو نہیں کیا  
جاتا۔ اس کے اندر بھی انسانی طبیعتوں کے تقاضے موجود ہوتے ہیں مگر اس  
کے باوجود تمکینوں پر اس کو زبردستی لگا دیا جاتا ہے اور گناہوں سے بالکل  
روک دیا گیا ہے۔ خود اپنے ارادہ اور اختیار سے وہ نہ تو نیکیوں پر قائم ہے  
اور نہ ہی گناہوں سے پرہیز کرتا ہے بلکہ وہ بے بس اور مجبور ہے کہ نیک کرے  
اور گناہ سے دور رہے اس کے برخلاف شیخ ابو منصور ماتریدی دوسرے



اہلسنت والجماعت کا نقطہ نظر عصمت کے سلسلے میں یہ ہے کہ عصمت ایک ہی  
کمال اور محض عطیہ ربانی تو ضرور ہے جو معصوم کو گناہوں سے باز رکھتا ہے  
مگر وہ نیکیوں پر اقدام کرنے یا گناہ سے پرہیز کرنے میں بے اختیار و مجبور  
نہیں ہے بلکہ وہ اپنے ہی اختیار اور قدرت سے بالارادہ نیکی کرتا ہے اور  
اسی طرح بالارادہ اپنے اختیار سے گناہوں سے گریز کرتا ہے۔ اس عصمت کی  
وجہ سے وہ نہ مجبور ہے نہ بے اختیار۔ ایسے ہی وہ عصمت کے حاصل ہونے کی  
وجہ سے عام انسانی طبیعتوں کے جذبات اور فطری تقاضوں یا گناہوں کی صلاحیتوں  
سے محروم نہیں ہے بلکہ یہ سب کچھ اس کے اندر موجود ہیں لیکن اس کے باوجود وہ  
بے اختیار خود گناہوں سے پرہیز کرتا ہے اور نیکیوں کی طرف ہر وقت متوجہ  
رہتا ہے اہلسنت کی دلیل یہ ہے کہ معصوم احکام شرعیہ کا پابند اور مکلف  
ہوتا ہے اس میں تو کسی کو اختلاف نہیں لہذا جب معصوم پر شرعی تکلیف کا  
نفاذ ہے تو اس کے بے اختیار اور مجبور ہونے کا کوئی معنی ہی نہیں ہو سکتا  
احکام شرعیہ یا تکلیف شرعی کا مطلب یہی ہے کہ مکلف اپنے اختیار اور اپنی  
قدرت سے ہی عمل کرے گا۔ اگر کوئی نیک عمل کرتا ہے تو اپنے ارادہ سے کرے  
اور اگر وہ کسی برے کام سے پرہیز کرتا ہے تو اپنے ارادہ اور قدرت سے  
پرہیز کرے ورنہ بے بس اور بے اختیار آدمی سے کسی ایسے کام کا مطالبہ  
کرنا جو اس کے بس سے باہر ہو اسی طرح بے سود ہوگا جیسے کسی اندھے

سے دیکھنے کا مطالبہ اور ایسے ہی جو چیز اس کے اختیار سے پہلے ہی باہر ہے  
اس سے روکنا بھی بے معنی ہوگا کیونکہ وہ بے اختیاری کی وجہ سے پہلے ہی اس  
عمل سے رکا ہوا تھا مثلاً اندھے کو یہ کہنا بے معنی ہوگا کہ تم مت دیکھو۔ ظاہر ہے  
کہ وہ دیکھنے کے عمل سے تو اس حکم سے پہلے ہی سے رکا ہوا ہے پھر یہ حکم تحصیل حاصل  
کے سوا کیا ہوگا۔ بنابرین معصوم کا مکلف ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں  
اختیار و قدرت ہر گناہ کی ہوتی ہے۔ عصمت کا ناکارہ صرف یہ ہے کہ وہ قدرت  
و اختیار کے باوجود گناہ سے بالارادہ پرہیز کرتا ہے اور بالارادہ نیکیوں کی  
طرف متوجہ ہوتا ہے ورنہ عصمت کا مطلب اگر سلب قدرت یا بے اختیاری  
اور مجبوری لے لیا جائیگا تو پھر تکلیف شرعی کا کوئی معنی ہی نہ ہوگا۔ لہذا معصوم  
کو مکلف ماننا اس کے با اختیار اور صاحب قدرت ہونے کی سب سے بڑی دلیل  
ہے۔ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ نے گذشتہ عبارت میں اس کی تصریح فرمائی ہے  
اور مزید اس کی تشہید دوسری جگہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔

لأنه لو كانت الذنوب متنجسا  
لما وجب تکلیف بترك الذنوب  
ولا معنى لانه لا ينفي عن النظر  
الروحاني لا ينفي عن السكون لانه تعالى  
ولا تكليف مما ليس بمتنجس  
اس لئے کہ اگر گناہ معصوم کی قدرت سے  
باہر ہو تو اس کو گناہ سے باز رہنے کا  
مکلف بنانا درست ہی نہ ہوگا جیسے کہ  
اندھے آدمی کو دیکھنے سے منع نہ  
انسان کو سکون سے نہیں روکا جائیگا کیونکہ سکون

طائفل۔ اصدیت ان کے اختیار سے ہی باہر بخیر

(شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۸) یہاں تحصیل حاصل ہے اور تکلف بتانا ایسی چیز کا

درست نہیں ہے جس میں کلفت کا تصور بھی ممکن ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے حق میں عصمت کا عقیدہ قائم کیا گیا ہے ان کے متعلق یہ عقیدہ پہلے ہی سے اپنی جگہ متفق علیہ ہے کہ احکام شریعت کی پابندی ان کے لئے بھی ضروری ہے۔ خدا کی طرف سے جتنے اوامر و نواہی عام انسانوں کے لئے نافذ کئے گئے ہیں ان سب سے وہ کلی طور پر مستثنیٰ نہیں ہیں بلکہ تکلیف شریعی یا لفظ دیگر احکام الہی منجانب اللہ ان پر بھی لاگو ہیں اور یہ بات مسلم ہے کہ شریعت کے امر و نہی کا تعلق انھیں چیزوں سے ہوتا ہے جو بندے کے اختیار و قدرت سے باہر ہوں۔ ورنہ جو امور سرے سے انسان کی قدرت سے ہی باہر ہوں ان پر بندش لگانا یا ان کا مطالبہ کرنا بالکل مہمل اور بے معنی قسم کی بات ہے مثلاً ایک شخص اندھا ہے دیکھنا اس کے اختیار کی بات نہیں اسی طرح نہ دیکھنے پر بھی وہ فطرتاً مجبور ہے اب اگر اس اندھے پر یہ بندش لگائی جائے کہ تم مت دیکھو تو یہ حکم ہی بے معنی ہوگا اور بالکل لا حاصل بندش ہوگی۔ کیونکہ نہ دیکھنا تو اس کی فطری اور بے اختیاری چیز تھی جو اس بندش لگانے سے پہلے بھی اس کو حاصل تھی ایسا نہیں ہے کہ تعمیل حکم کے خیال سے اس اندھے نے اپنے

ارادہ سے اس کو پسند کیا ہو اور نافرمانی کے خطرے نے وہ دیکھنے سے باز رکھا ہو اس لئے جس شخص کو تکلف مانا گیا ہے اس کے حق میں عصمت کا مطلب اس کے سوا کچھ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ شخص جلد گناہوں کے ارتکاب پر اختیار و قدرت رکھنے کے باوجود گناہ سے بالارادہ پرہیز کرتا ہے اگرچہ اس کی ذات میں تمام صلاحیتیں موجود ہیں وہ مجبور نہیں ہے مگر قدرت نے اس کی ذات میں ایک ایسی چیز بھی گودیت کر دی ہے جو گناہوں سے اس کو باز رکھتی ہے اسی مضمون کو امام غزالیؒ نے تفصیل کے ساتھ اس انداز میں بیان فرمایا ہے۔

امام غزالیؒ کی اصل عبارت اور احمد امین مصری کی غلط فہمی کا ازالہ امام

علیہ الرحۃ احیاء العلوم جلد چہارم میں اس بات پر بحث کرتے ہوئے کہ توبہ ہر شخص کے لئے ضروری ہے اور ہر حالت میں واجب ہے فرماتے ہیں  
وقد بوۃ الخی اللہ جمیعاً  
ایہا املو منو د  
لعلکم تفعلو د  
اے ایمان والو سب خدا کی طرف توبہ کے ساتھ توبہ ہو جاؤ ممکن ہے کہ کامیابی حاصل کر لو۔

بس خدا نے اس جگہ خطاب عام فرمایا ہے اور نور بصیرت بھی اسی بات کی رہنمائی کرتا ہے کیونکہ توبہ کہتے ہیں اس راستے سے ہٹ جانے کو

جو خدا سے دور اور شیطان سے قریب کرتا ہے مگر یہ کام عقلند سے ہی ہو سکتا ہے اور جو ہر عقل کی تکمیل اسی صورت میں ہو گی کہ جب غضب و شہوت اور دوسرے زوائد جو انسان کے بہکانے میں شیطان کے لئے وسائل کا کام دیتے ہیں وہ سب کے سب مکمل طریقے پر موجود ہوں یہی وجہ ہے کہ کمال عقل چالیس سال کی عمر کے قریب حاصل ہوتا ہے البتہ اس کی بنیاد قرب بلوغ ہی پڑ جاتی ہے اور اس کے مبادیات ۷ سال کے بعد ہی ظاہر ہونے لگتے ہیں اور خواہشات نفس گویا کہ شیطانی فوج کا نام ہے اور عقول گویا کہ فرشتگانہ قوتوں کا نام ہے پس جب بھی دونوں جمع ہوں گے یقیناً دونوں کے مابین جنگ چھڑ جائے گی اس لئے کہ ایک قوت دوسرے کو قدم جمانے کا موقع دینا ہرگز پسند نہ کرے گی کیونکہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں لہذا ان دونوں کے درمیان ایب ہی اختلاف ہو گا جیسے رات اور دن، یا نور و ظلمت کے درمیان اختلاف ہے اور جس وقت ان میں سے ایک کا غلبہ ہو جائے گا وہ لامحالہ دوسرے کو اکھاڑ پھینکے گا اور چونکہ خواہشات مکمل طور پر عقل کی تکمیل سے پہلے ہی بچپن اور جوانی ہی میں وجود پذیر ہو جاتی ہے اس لئے شیطانی فوج کا قبضہ اور تسلط قلب پر ہو جاتا ہے اور قلب کو بھی ان سے الفت ہو جاتی ہے لہذا شہوانی تقاضوں کا عادت بن جانا یقینی امر ہے اس لئے وہ قلب پر غالب رہتے ہیں اور ان سے دل کا علیحدگی اختیار کرنا بڑا دشوار ہوتا ہے

پھر جب اس کے بعد آہستہ آہستہ عقل کا ظہور ہونے لگتا ہے جو کہ خدائی طاقت اور اس کی معاون ہے۔ نیز اس کے محبوبوں کو شیطانی دشمنوں کے ہاتھوں سے نجات دہانے والی ہے لہذا یہ عقل اگر قوی نہ ہو پائی اور اس میں کمال پیدا نہ ہو سکا تو دل پر شیطان کا اقتدار باقی رہ جاتا ہے اور وہ ملعون اپنا وعدہ پورا کر لیتا ہے جو اس نے کہا ہے کہ

لاحتسکت ددیتہ ۱۱۰  
تھوڑے لوگوں کے سوا تمام ذریت آدم  
قدیدہ ۱۱۱  
کو برباد کر کے دیوں گا۔

اور اگر عقل کامل اور مضبوط ہوتی ہے تو اس کا سب سے پہلا کام شہوات کو توڑ کر غلط عادتوں کو زائل کر کے اور بالآخر عبادات کی طرف موڑ کر شیطانی قوتوں کا خاتمہ کر ڈالنا ہے اور تو یہ اس کا نام ہے کیونکہ توبہ کہتے ہیں ایسے راستے سے ہٹ کر خدا کی طرف متوجہ ہونے کو جس کی شہوت رہنا ہے اور شیطان معاون ہے پس کوئی آدمی وجود پذیر نہیں ہوا ہے مگر یہ کہ شہوت اس کے اندر عقل کی آمد سے پہلے ہی موجود ہوئی اور وہ پیدا کنشی حصائل جو شیطانی وسائل ہیں اس شخص کی فطری فرشتگانہ قوتوں سے مقدم ہوئی ہیں لہذا جو شہوانی تقاضوں کی موافقت کا مادہ آدمی میں پہلے سے موجود ہے اس سے رجوع یعنی توبہ کرنا ہر انسان کے لئے ضروری ہے چاہے وہ ہی ہو یا غبی۔ بنا بریں ہمیں وہ سمجھنا چاہیے کہ توبہ رجوع کی ضرورت صرف حضرت آدم علیہ السلام کے

لئے خاص ہے کہا گیا ہے شعور!

فلا تحسبن الله انكم لعلوا فدا  
تم یہ نہ سمجھو کہ بعد ہی منہ کی کوئی خصوصیت ہے

سعة نفس كل غايية هندن  
بکریہ تو نفس کی عادت ہے لہذا ہر حسین

عورت کو ہندہ کی طرح بدعہ تصور کرنا چاہیے۔

بلکہ یہ بہ ورجوع امر ازلی ہے جو توقع بشر کے حق میں مقدر کر دیا گیا ہے اس

کے برخلاف تصور ہی نہیں کیا جاسکتا آئیہ کہ سنت الہی میں ہی تبدیلی ہو جائے

مگر اس کی توقع بھی نہیں ہے بنا بریں جو آدمی جہالت اور کفر میں بالغ ہوا ہے

اس پر اپنی جہالت اور کفر سے توبہ کرنا ضروری ہے۔ اور جو شخص اپنے والدین

کے توبہ سے سایہ بجاالت ایمان اہل حقیقت ایمان سے بے خبر رہ کر بالغ ہوا ہے

اس پر ایمان کی حقیقت سے بے خبری سے توبہ کرنا واجب ہے کیونکہ اس شخص

کو والدین کے اسلام سے کوئی نفع نہ ہوگا تا وقتیکہ وہ خود اسلام قبول نہ کر لے

اس لئے اگر وہ صاحب فہم ہے تو اس پر واجب ہے کہ اپنے سابق رذائل اور

شہوات کے پیچھے بغیر کسی روک ٹوک کے پڑے رہنے سے رجوع کرے اپنے

آپ کو قابو میں رکھنے اور بے قید کر دینے اور اپنے کو آزادی یا چھوٹ لینے

میں احکام الہی کے سانچے میں ڈھل کر رجوع کرے۔ یہ کام توبہ کے ابواب

میں سے بہت کٹھن باب ہے جس سے اکثر لوگ عاجز ہیں لہذا آیت بالا

اس بات پر صریح دلالت کرتی ہے کہ توبہ ہر شخص کے لئے فرض عین ہے۔ کسی

فرد بشر کے بارے میں یہ تصور صحیح نہیں ہے کہ وہ توبہ سے بے نیاز ہے

جب آدم علیہ السلام اس سے بے نیاز نہ رہ سکے تو اولاد کی فطرت میں اس چیز

کی گنجائش کہاں سے آئے گی جس کی گنجائش سرے سے باپ ہی کی فطرت میں

نہ رہی ہو۔ ہی توبہ کے بروقت واجب ہونے کی بات تو!

فہموات كل بشر فلا يدخلو  
اس میں شبہ نہیں کہ کوئی فرد بشر جسمانی

اعضا کی ہر معصیت سے خالی نہیں ہے

اذ لم يدخل عنه الا نبياء  
کیونکہ جب اس سے انبیاء علیہم السلام ہی

خال نہیں رہتے تو دوسروں کا سوال ہی کیا

د الا خبر من خطايا  
ہے، جیسا کہ قرآن پاک اور احادیث

الانبياء و توبتهم  
میں ان کا اپنی خطاؤں سے توبہ کرنے

بکا فہم  
اور رونے گڑ گڑانے کا ذکر موجود ہے

پھر اگر کوئی شخص کسی وقت جسمانی اعضا کے گناہ سے بچ بھی جائے تو

گناہوں کے تصور سے تو خالی نہیں ہوگا اور اس سے بھی کسی وقت خالی مان

لیا جائے تو خدا کے ذکر سے غافل کر دینے والے متفرق خطرات جو شیطانی

وسوسہ کی وجہ سے جوتے ہیں ان سے خالی نہ ہوگا اگر ان سے بھی خالی

مان لیا جائے تو کم از کم خدا کی ذات و صفات اور اس کے افعا کے

سلسلہ میں بے علمی یا نقصان علمی سے تو خالی نہ ہوگا اور یہ تمام چیزیں



بہر حال ایک قسم کا نقص ہی ہیں جن کیلئے کچھ اسباب و وجوہ ہیں لہذا ان کے اسباب کو اس طرح چھوڑ دینا کہ منافی جو چیز ہے اس میں مشغول ہو جائے یہ بھی ایک راستہ ہے اس کی ضد کی طرف رجوع کرنا ہوا پس کسی آدمی کے بارے میں اس نقص سے بری ہونے کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں اس نقص کی مقدار میں فرق افراد بنی آدم کے درمیان ضرور ہے لیکن جہاں تک اصل نقص کا معاملہ ہے وہ تو بہر حال موجود ہے۔ اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے قلب پر بھی ابر غفلت چھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ میں دن رات میں ستر مرتبہ خدا سے استغفار کرتا ہوں اور یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے لیغفر اللہ ما تقدم من ذنبك وما تاخر سے خطاب فرما کر اعزاز بخشا ہے۔

و اذا كانت حاله فكيف حاله پس جب یہ حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے غیور کا (یا اعموم صبیحہ ۱۰) تو دوسروں کا کیا ہوگا (خود غور کر لو)

امام غزالیؒ کے اس طویل بیان کا یہی حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوبہ بشر کی فطرت میں خیر و شر کا امتزاج رکھا ہے اس لئے شر کی طرف اس کا میلان فطری تقاضہ کے تحت ہے لیکن جن کی عقل جس درجہ کامل ہوتی ہے اور جن کے صفات فرشتگانہ جس قدر قوی ہوتے ہیں وہ اسی درجہ شیطانی خواہشات اور شر کے تقاضوں سے دور ہوتے جاتے

ہیں۔ یہ قاعدہ تمام بنی آدم کے لئے عام ہے اور سارے افراد بشر کا اس قاعدے سے تعلق برابر درجے کا ہے کوئی فرد بشر حتیٰ کہ انبیاء کرام بھی اس نقص سے خالی نہیں ہیں البتہ ان کے حسب مراتب اس نقص کی مقدار میں فرق ضرور ہوگا۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ کوئی فرد اس نقص سے خالی ہو۔ مذکورہ عبارت میں کوئی جملہ ایسا نہیں ہے جس سے عصمت انبیاء کے مسئلے پر کوئی زد پڑتی ہو۔ باقی امام غزالیؒ نے انبیاء کرام سے خطاؤں کے صدور پر توبہ کرنے وغیرہ کے بارے میں جو قرآن و حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ اگرچہ اپنی جگہ درست ہے۔ لیکن اس کے اندر بھی امام غزالیؒ نے کسی ارادی گناہ کی نسبت انبیاء کرام کی طرف نہیں کی ہے بلکہ بلا ارادہ ہونے والے گناہ یعنی لغزش اور خطا کی نسبت انہوں نے انبیاء کی طرف کی ہے جس سے خواہ مخواہ احمد امین مصری صاحب نے انبیاء کی بے عصمتی کا نظریہ کشید کر لیا ہے۔ آئندہ صفحات میں اس انداز کی تکشیں آرہی ہیں۔ جن سے امام غزالیؒ کی اس عبارت کا مفہوم زیادہ واضح ہو جائے گا لیکن اتنی بات تو اس جگہ پر بھی سمجھی جاسکتی ہے کہ امام غزالیؒ نے عصمت کا انکار نہیں کیا ہے بلکہ ہر انسان میں خواہشات اور ان کے تقاضوں کے موجود ہونے کا دعویٰ کیا ہے جو اپنی جگہ حق ہے کیونکہ پہلے بھی یہ بات واضح طریقے پر گزر چکی ہے کہ عصمت کا مفہوم اہلسنت والجماعت کے

نزدیک گناہ کی صلاحیتوں سے محرومی یا سلب امکان اور بے اختیاری نہیں ہے اس لئے امام غزالیؒ کی عبارت میں عصمت انبیاء کے خلاف کوئی چیز نہیں ہے یہ اور بات ہے کہ احمد امین مصری نے اپنی کج فہمی اور ایک خاص ذہنیت کی وجہ سے اس عبارت کو اپنے لئے سند بنا لیا ہے حالانکہ یہ کسی طرح درست نہیں ہے البتہ معتزلہ اور شیعہ کے نزدیک عصمت سلب امکان کے ہم معنی ہے۔

**عصمت کی حقیقت میں اختلاف کا نتیجہ** | اہلسنت اور شیعہ اور معتزلہ کے مابین عصمت کی حقیقت میں اس بنیادی اختلاف کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اہلسنت کے نزدیک معصوم کی ذات میں چونکہ قدرت و امکان موجود ہے اس لئے اس سے ہر قسم کے گناہ کا وقوع عقلاً جائز ہوگا اگرچہ عصمت کے سبب یہ چیز وجود پذیر نہیں ہو سکتی۔ اس کے برخلاف شیعہ اور معتزلہ کے نزدیک چونکہ معصوم گناہ کی قدرت سے محروم ہے اور اس کے اندر کسی گناہ کی صلاحیت ہی سرے سے موجود نہیں اس لئے کسی معصیت کا امکان بھی عقلاً اس سے نہیں ہو سکتا جیسا کہ اس بات کا امکان شرعاً بھی نہیں ہے۔ اختلاف کے اس ثمرہ کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھا جا سکتا ہے وہ یہ کہ اندھے آدمی میں جس طرح قوت بینائی موجود نہیں اس لئے کسی غلط چیز کو نہ دیکھنا اسکے لئے نہ عادت نہ مگر یہ نہ شرعاً و عقلاً

ہی اس کی گنجائش ہے اس کے برخلاف جس شخص کے اندر قوت بینائی اچھی طرح موجود ہے لیکن اس کے باوجود وہ اپنے ارادہ و اختیار سے کسی غلط چیز پر نگاہ نہیں ڈالتا اگرچہ اس کے لئے یہ امر ممکن ہے کہ جب چاہے نگاہ ڈالے لیکن خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم نے اس شخص کی حفاظت کر رکھی ہے کہ اس کی طبیعت کو ہر غلط چیز سے متنفر کر دیا ہے جس کے سبب وہ کسی غلط چیز کی طرف نگاہ نہیں اٹھاتا، اہلسنت کے نزدیک معصوم کی مثال دوسرے شخص کی سی ہے اور معتزلہ کے نزدیک معصوم پہلے شخص یعنی اس اندھے کی طرح ہے گناہوں کے عقلی جواز اور شرعی عدم جواز کا مطلب بھی یہی ہے۔ چنانچہ علامہ عبدالعلی بکر الصلوم اور علامہ محمد الشہارسی مسلم الثبوت اور اس کی شرح فوائد الرحمت میں لکھتے ہیں۔

اختلاف فی عصمة الانبياء قبل النبوة . . . . .  
 لا لاكثر من المسلمين على احد لا يمنع عقلاً ذنب من لم يطق اتي ذنبه كان صغيراً او كبيراً او كفراً او غيراً وقوله خلاصاً للشيعة  
 لوگوں میں نبوت کے پہلے انبیاء کرام علیہ السلام کی عصمت کے مسئلہ کے اندر اختلاف ہے۔ لیکن زیادہ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ عقلاً ان سے کوئی گناہ بھی ناجائز نہیں ہے۔ صغیرہ ہو یا کبیرہ یا کفر ہی کیوں نہ ہو بخلاف شیعوں کے اس لئے کہ وہ لوگ، نبیاء کرام پر مطلقاً کسی گناہ کو بھی عقلاً جائز نہ

فَانْهَمُ لَا يَجُوزُونَ عَقْلًا      نہیں مانتے اور بخلاف عقولہ کے کیونکہ  
ذَنْبٌ عَلَيْهِمْ مَطْلَقًا وَخَلَا      وہ بھی صغیرہ کے علاوہ کسی گناہ کو  
لِلْمَعْتَرِضِ خَلَا فِي الصَّغِيرَةِ فَانْهَمُ      انبیاء کے لئے عقلاً جائز نہیں قرار  
يَجُوزُ ذَنْبُهَا (نَوَاحِی الرَّحْمَةِ تَعْبِيرٌ وَاسْتِقَارٌ)      دیتے ہیں۔

اس عبارت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اکثر مسلمان کے نزدیک قبل نبوت معاذ اللہ  
نبی ہر قسم کے گناہ میں ملوث ہو سکتا ہے کیونکہ ان کے شرعاً یہ بات کسی طرح  
سے جائز نہیں ہے بلکہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ عقلاً اس کے اندر گناہ  
کی قدرت و صلاحیت موجود ہونے کے سبب گناہ بھی ممکن ہے اگرچہ شرعاً کبھی  
بھی اس کا وقوع نہیں ہو گا اس کے برخلاف شیعوں کے نزدیک نبی کے اندر  
گناہ کی قدرت ہی موجود نہیں لہذا جس طرح شرعاً وقوع ناجائز ہے اسی طرح  
عقلاً بھی ناجائز ہو گا منزہ کا بھی یہی خیال ہے۔

قاضی ابوبکر کی طرف یہ انتساب غلط ہے | البتہ اہلسنت میں ہے  
کچھ لوگوں کا خیال ہے

کہ شرعاً بھی قبل نبوت ہر معصیت جائز ہے اگرچہ کفر ہی کیوں نہ ہو مگر بعد  
نبوت شرعاً جائز نہیں چنانچہ علامہ آلوسی روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں۔

نَحْمُ لَا أَشْكَالَ فِيهِ عَلَى مَا قَالَهُ      ہاں قاضی ابوبکر کے مذہب کے مطابق  
قاضی ابوبکر مومن است      اس میں کوئی اشکال نہ ہو گا کیونکہ وہ کہتے

لَا يَمْتَنِعُ عَقْلًا وَلَا شَرْعًا      میں عقلاً اور شرعاً یہ بات ممکن ہے کہ نبی  
بعد من البی علیہ      سے قبل نبوت ہر طرح کی معصیت کا وقوع  
الاستلاحہ قبل نبوہ معصیۃ      ہو جائے بلکہ یہ کبھی محال نہیں کہ خدا ایسے  
معلقاً بل لا یمتنع عقلاً وشرعاً      شخص کو رسول بنا دے جو کفر کر چکا ہے  
من اسلام بعد کفرہ درج اعمال متقیہ      لیکن اسلام لے آیا۔

اہلسنت میں کسی کی طرف بالخصوص قاضی ابوبکر کی طرف اس مسئلہ  
کو منسوب کرنا ہمارے نزدیک کسی طرح درست نہیں ہے۔ اولاً اس لئے  
کہ قاضی ابوبکر کے کہنے کا مقصود یہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک دوسری بات سمجھانا  
چاہتے ہیں مگر لوگوں نے شرعاً بھی قبل نبوت گناہ کا جواز حتیٰ کہ کفر  
کا جواز سمجھ لیا اور اسی کو ان کا مسلک سمجھ کر ان کی طرف منسوب کر گئے خود  
علامہ آلوسی نے بھی اس رائے کو قبول نہیں کیا ہے اس لئے وہ قبل نبوت  
اور بعد نبوت نبی کے معصوم ہونے کی بار بار تصریح فرماتے ہیں جیسا کہ ان کی  
عبارت آگے آرہی ہے دیکھئے ہر اس معصیۃ، معصیۃ ثانیاً یہ مسئلہ آئمہ  
ادریق میں بے شمار حوالوں سے ثابت کیا جائے گا کہ شرعاً نبوت سے پہلے  
خوارج کے فرقہ اندازہ اور شیعوں کے فرقہ فضلیہ کے علاوہ تمام امت کا اس  
بات پر اتفاق ہے کہ کسی نبی سے قبل نبوت کفر جائز نہیں ہے اگر اہل سنت  
میں شک کی مجتہد بزرگ اور مستند عالم کو اس سے اختلاف ہوتا بالخصوص قاضی

ابو بکر کو ہی اس سے اختلاف ہوتا تو جس طرح ازارقہ اور فضلیہ کا اختلاف لوگوں نے نقل کیا ہے اس مقام پر قاضی ابو بکر کا اختلاف مزور نقل کیا گیا ہوتا لیکن کسی ایک متقدم عالم نے بھی نقل نہیں کیا ہے جس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ علامہ آلوسی علیہ الرحمۃ کو قاضی ابو بکر کی رائے کے متعلق غلط فہمی ہوئی ہے ورنہ قاضی ابو بکر بھی جلد اہلسنت کی طرح قبیل نبوت بنی کے لئے عصمت کو صرف عقلاً گناہ نہ کہ شرعاً جیسا کہ فواجہ الرحمۃ کے حوالہ سے گزری چکا ہے۔

ثانیاً اگر نسبت قاضی ابو بکر کی طرف درست بھی تسلیم کر لی جائے تو باتفاق اہلسنت یہ رائے قابل قبول نہ ہوگی جیسا کہ آئندہ صفحات سے معلوم ہو جائے گا۔

ان مباحث کے سامنے آجانے کے بعد ناظرین یہ سمجھ گئے ہوں گے کہ مولانا مودودی نے رسائل و مسائل کے اندر جو بیانات تحریر کیے ہیں کہ بنی کی عصمت فرشتوں جیسی نہیں ہے اور عصمت سلب امکان کا نام نہیں ہے کہ گناہ پر قدرت ہی نہ رہے بلکہ عصمت کے باوجود گناہوں کا ارتکاب اس کے مقدور میں ہوتا ہے یہ بالکل صحیح اور درست ہے بلکہ یہی مسئلہ ہے جس کی وضاحت اب تک پیش کی گئی ہے۔ مولانا مودودی کے اس نظریہ پر کسی کو اعتراض نہیں ہے ان کا جو نظریہ قابل اعتراض ہے

وہ یہ ہے۔

کیا عصمت لازم ذات ہے | مولانا مودودی کے نزدیک نہ عصمت لازم ذات ہے اور نہ ہی نبوت سے پہلے عصمت کسی بنی کو حاصل ہوتی ہے چنانچہ مودودی صاحب کی یہ عبارتیں کسی تشریح و وضاحت کی محتاج نہیں ہیں۔

عصمت دراصل انبیاء علیہم السلام کے لوازم ذات سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو منصب نبوت و رسالت کی ذمہ داریاں صحیح طور پر ادا کرنے کے لئے مصلحتاً خطاؤں اور لغزشوں سے محفوظ فرمایا ہے (تغیبات) اور قبل نبوت کسی بنی کو وہ عصمت حاصل نہیں ہوتی جو بنی جو کے بعد ہو کرئی ہے (مسائل و مسائل ص ۲۵۱)

بنی ہونے کے پہلے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی ایک بہت بڑا گناہ ہو گیا تھا کہ انھوں نے ایک انسان کو قتل کر دیا چنانچہ جب فرعون نے ان کو اس فعل پر ملامت کی تو انھوں نے بھرے دربار میں اس بات کا اقرار کیا کہ فعلہا اذادنا من الضالین (رسائل و مسائل اول ص ۱۸) بالترتیب ہم مودودی صاحب کے دونوں نظریے کا نتیجہ قبیح جائزہ ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

لازم ذات کی تحقیق | درحقیقت عصمت کے لازم ذات

نہ ہونے کا نظریہ اس امر پر مبنی ہے کہ مقام نبوت و رسالت برسرِ فرزند ہونے سے پہلے نبی عام انسانوں کی طرح ہوتا ہے یعنی عام انسانی طبیعتوں اور ذات نبوت کی طبیعت و مزاج میں کوئی فرق نہیں ہوتا حالانکہ سرے سے یہ خیال ہی صحیح نہیں ہے کیونکہ قبل نبوت بھی نبی کی ذات عام انسانی طبیعتوں سے مختلف ہوتی ہے اور خیر و صلاح اور عقیدہ و عمل کی پاکیزگی قبل نبوت سے ہی بلکہ پیدائشی طور سے ذات نبوت میں ودیعت کی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ عام انسانوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

نکتہ نخستیں آنکہ نفوس تندہ سیہ انبیاء عظیم  
ادبین نکتہ یہ ہے کہ انبیاء عظیم السلام  
اسکوم در غایت صفا و علو فطرت  
کے پاک نفوس بے انتہا پاکیزہ اور عالی فطرت  
آفریدہ شدہ است و در حکمت الہی بہا  
پیدا کئے جاتے ہیں اور خداوند مقدس  
صفا و علو فطرت مستوجب و حمی  
کے انتخاب حکیمانہ میں وہ اسی پاکیزگی اور عالی  
گشتہ اندر یا است عالم مغوی شدہ  
نظرت ہونے کی وجہ سے وحی رسالت و نبوت  
قال اللہ تعالیٰ اللہ اعلم  
کے مستحق ہو جاتے ہیں اور سارے عالم رک  
حیث یجعل رسالتہ  
اصلاح کا معاملہ ان کے سپرد ہو جاتا ہے  
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ خدا خوب اچھی طرح  
وزائے الخفا ۱۲۰ )  
جانتا ہے اس جگہ کو جہاں وہ رسالت کو رکھنے والا

ایک دوسرے موقع پر شاہ صاحب نے مزید تشدیک و دھماکت بھی فرمائی ہے لکھتے ہیں۔

و از لوازم نبوت و بمنزلة اجزا و تمیز  
جس شخص کی رسالت چاہی گئی ہے اس کی  
ایں شخص است کہ بنیابری او فرستادند  
ذات نبوت کے لازم اور اجزائے اختیاریہ  
سائر افراد بشر در ہر دو قوت نہیں  
میں سے یہ بات ہے کہ وہ تمام افراد بشر  
ناطق امنی قوت عائد و قوت عامہ  
سے دونوں صلاحیتوں میں متاثر ہو ہی سکیں  
والیہ الاشارة فی قولہ  
صلاحیت اور علی صلاحیت اس طرف اللہ  
تعالیٰ اللہ اعلم حیث یجعل  
تعالیٰ اپنے قول اللہ اعلم حیث یجعل  
رسالتہ میں اشارہ فرما رہے ہیں  
رسالتہ  
...  
و ابھنیں  
در قوت عامہ اور دوسے میں ہر کہ  
بسیب ان سمت صاحب نصیب او  
مستحق گذرام اسی طرح اس نبی ہونے  
شود و اعتبار مواصی و رعایت  
شخص کی قوت عمل کو از غیب مدد و یونجائی  
جانی ہے جس کی وجہ سے نیک و حسان اس  
آداب طاعات و تدبیر منازل و  
جانی ہے جس کی وجہ سے نیک و حسان اس  
کام مقدر بن جاتا ہے اور گناہوں سے  
لہ وارم نبوت کا ترجمہ لازم ذات اس لئے کیا گیا کہ نیکو قبل نبوت کی زندگی سے مستحق ہے جو نبوت  
کو ذات نبوت وصف نبوت سے حالی ہے چنانچہ خود شاہ صاحب کی تصریح بھی آگے آرہی ہے  
کو عصمت صفت ذات ہے نہ صفت نبوت۔

سیاست مدنیہ جیچے کہ ازاں خوب  
 صورت نہ بند و بر وئے کار آید  
 وخلق شجاعت و سخاوت و کفایت  
 و عدالت و شناختن مصلحت ہر وقتی از  
 استقامت قوت عامہ حاصل می شود  
 و کمال این قوت مغضی می گردد بر عصمت  
 و سبوتے این اشارہ واقع شدہ است  
 و حدیث اصمت الصالح جزا من  
 خمسہ و عشرین جزا من اجزاء  
 النبوة و چون ہر دو قوت علی الوہم  
 الہی یعنی مہذب شوند و  
 از جانب غیب برا کے بر یکی و دوسے  
 فرد آید در مجاری امور مشخص  
 برکات بسیار ظہور می آید کہ  
 کہ احصاء آن متعدد است۔  
 (ازالۃ الخفاء)  
 کہ اذنیوار ہے

شاہ ولی اللہ صاحب کی یہ تحقیقات اس بات میں صریح ہیں کہ

کہ ذات نبوت کے لئے عصمت یعنی گناہوں سے گریز کرنا ایک امر لازم  
 ہے جو نبوت کے پہلے ہی موجود ہوتا ہے بلکہ غور کرنے سے یہ بات اور واضح  
 ہوتی ہے کیونکہ عصمت کے حاصل ہونے یا پائے جانے کے سہر حاصل  
 کچھ اسباب و وجوہ ہوں گے اگر وہ اسباب و وجوہ قبل نبوت موجود  
 ہوں تو پھر عصمت کے قبل نبوت موجود نہ ہونے کی کوئی معقول وجہ نہیں  
 ہو سکتی۔ پس اس صورت میں عصمت لامحالہ لازمہ ذات ٹھہرے گی۔  
 چنانچہ اس سلسلہ میں خود شاہ صاحب ہی تحریر فرماتے ہیں۔

والعصمة لها اسباب ثلثة  
 ۱۔ خلق الانسان بعباد  
 الشهوات الذی یلذذ سبھا  
 لا سیمانیہا یرجع الخی صفاطہ  
 الحنود و الشرعیمہ و  
 ان یوحی الیہ حسن الحسن  
 و قبح القبح و ما لہما  
 و ان یدخلہ اللہ مہینہ  
 بین ما یرید من الشهوات  
 الذی یلذذہ اللہ بالوہم و شہواتہ  
 حائل ہو جائے۔

عصمت کے تین سبب ہیں (اول) ہر کہ  
 انسان کی تخلیق ہی شہوانی ردائی سے منزہ  
 متبرا بالکل سادہ لوحی پر ہو باخصوص ان  
 امور میں جن کا حدود و شریع کی مخالفت  
 و نگرانی سے تعلق ہے (دوم) یہ کہ اس کے  
 پاس چھ کام کی بھلائی اور برکت کام  
 کی برائی ان دونوں کا کام محسن رحمتی آبارک  
 (سوم) یہ کہ خود اللہ تعالیٰ اس کے اور  
 شہوانی ردائے کے قصد کے درمیان



ایک مقام پر شاہ صاحب نے اس سے بھی زیادہ مسئلہ کی تشریح و توضیح فرمائی ہے لکھتے ہیں۔

اعلم ان العصية لها اسباب  
بئس احد هاتين يخلقهم في  
سلامة الفطرة و كما في  
اعتدال الاخلاق فلا يورثون  
في المعاصي بل يكونون منفردين  
عما رثا منها ان يوحى اليهم  
ان المعاصي يعاقب عليها و  
الطاعات ينال بها عليهم  
فيكون ذلك اذرا من  
المعاصي والثالث ان يعول  
الله تعالى بينه وبين  
المعاصي باحداث لطيفة  
تبيها كظهور صود نه  
يعقب على اصبعه في قعة يورث  
قاله ولي الله الدهلوي دماشه بزمه

دہن نہیں کہ تو کہ عصمت کے اسباب و وجوہ  
نہیں ہیں ایک یہ ہے کہ ان معصوموں کو اللہ  
تعالیٰ نیک طبیعت اور اعلیٰ درجہ کے عدل  
اخلاق پر تخلیق فرماتا ہے اس لئے کہ انہوں  
سے گریز کرتے ہیں بلکہ اس سے متنفر  
رہتے ہیں۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ ان کے  
پاس میں وحی آتی ہے کہ معاصی پر سزا دی  
جائے گی اور اعمال خیر پر ثواب ملے گا  
پس یہ چیز بھی معاصی کے ارتکاب سے  
روک بن جاتی ہے تیسرا سبب یہ ہے  
کہ خود اللہ تعالیٰ ان کے اور معاصی کے  
درمیان ایک پاکیزہ لطیفہ پیدا کر کے  
عائل ہو جاتا ہے جیسے حضرت یوسفؑ  
کی تصویر ظاہر ہوئی تھی حضرت یوسفؑ  
کے واقعوں ان کی انگلی پر۔

عصمت کے ان اسباب و وجوہ پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہے  
کہ ان میں دو سبب نزول وحی اور زمانہ نبوت کے پہلے بھی موجود ہوتے  
ہیں یعنی پہلا سبب اور تیسرا سبب۔ لہذا ان دونوں اسباب و وجوہ کا ہونا اس  
بات کی مضبوط دلیل ہے کہ عصمت بھی قبل نبوت موجود ہوتی ہے یہ اور بات  
ہے کہ عصمت قبل نبوت اس درجہ قوی نہیں ہوتی جس درجہ کی زمانہ نبوت  
میں ہوتی ہے لیکن نفس وجود کا انکار کسی طرح درست نہیں ہے۔

قبل نبوت بھی انبیاء کرام کی زندگی ممتاز ہوتی ہے | انبیاء کرام  
علیہم السلام

کے زمانہ نبوت سے پہلے کی زندگی کو عام انسانوں کی زندگی جیسا  
تصور کرنا غلط خیال ہے جس کے ابطال و تردید کی طرف شاہ ولی اللہ صاحبؒ  
فرمایا ہے آپ کی زندگی اتم و کاملی علم و عمل میں عام انسانی زندگیوں کے مقابلہ میں  
قبل نبوت دونوں پہلوؤں سے انبیاء کرام کی زندگی فائق و بلند ہوتی ہے  
اس عقیدے کو شاہ ولی اللہ صاحب نے پوری قوت کے ساتھ اپنے خاص حکیمانہ  
انداز میں مختلف طریقے سے ثابت کیا ہے چنانچہ عصمت قبل نبوت کے سلسلے  
میں ان کا یہ حقیقت افروز بیان قابل دید ہے۔ فرماتے ہیں۔

پس نبوت امر است حادث بسبب  
پس نبوت ایک ایسی چیز ہے جو اصلاح عالم  
تعلق ارادہ بہ بحث اس بیجا مبرمجیت  
کے لئے اس پیغمبر کی بعثت سے ارادہ انہی

اصلاح عالم نامر حسی و نہ تکسب  
بر یافت آدمی این رولت نمی و بر-  
مگر کسی را که نفس نفس آدمی  
است در اصل جبلت محدود و ار-  
لا در اصل و قوی لکھ کر و و-  
مند بج است در عایت ظهور و علیہ  
وصفا و صلاح و سعادت و مزاج  
بدن اور در نہایت اعتدال  
انسانی طبیعت تو یہ دارد۔ فی الخافہ  
اما مفاد قلب و قلب و در شدت  
مناات و شہامت و اما مفاد  
عقل و عقل اور کماں جودت  
و استفامت۔ اما مفاد ملا را علی  
و شخ از ایشان و آیز بر  
ایشان قوت عاقلہ و مشیہ باور  
لا و علی است و بہذا قبول  
وحی می شد نام و قوت عاقلہ

کے متعلق ہونے کے سبب پیدا ہوتی ہے  
۔ پیدائشی چیز ہے نہ در بافت و محالہ کے ذریعہ  
کسی الہی اتنی بات ضرور ہے کہ یہ دولت صرف  
اسی کو دی جاتی ہے جس کا نفس قدسی  
الصفات ہوا در ابتدا کے فطرت سے ملا علی  
میں اس کا شمار ہو اور جو ملا علی کی متحقیں  
اس ذات میں شامل ہیں وہ بے حد ظاہر عالم  
یا کیزہ کامیاب ہو جیتے ہیں اور اس کا  
مزاج غایت درجہ اعتدال کی حالت پر بہت  
مستحکم ہوتا ہے یا تو قلب کے مطیع ہونے کے  
سبب اور اس کا قلب بہت زیادہ متین  
جری ہوتا ہے اور یا عقل کے مطیع ہونے کے  
سبب اور اس کی عقل چنگی اور کماں جودت  
پر ہوتی ہے اور یا پھر ملا علی کا مطیع ہونے  
کے سبب اور ان کا ایک نمونہ اور آئینہ ہونے  
کی وجہ سے نیز اس کی قوت عاقلہ ملا علی کے  
ادریک کے مشابہ ہوتی ہے اس لئے وہ بھی

اور در غایت صلاح

و لہذا عصمت صفت اولی باشد  
و اس امور لازم اعظم ثبوت  
است۔ سنت اللہ یاں جاری  
شدہ کہ ثبوت عنایت نہ فرماید  
مگر کہے۔ اگر جنیں آفریدہ شدہ  
باشند و بہا مردم و صحاب نفوس  
قدسیہ کہ بعض ایں او صاف  
یا با کثر آں متصف باشند  
نبوت نصیب ایشان نہ باشد  
چنانچہ مثل مشہور است کہ

گور خرد گزشت مگر آں کہ دود  
نہ ہر آنکو دود گور گزشت

.....  
.....

و لا کل من یسعی یصل  
غزلہ

وحی قبول کر لیتا ہے اور اس کی قوت عمل

بھی بے اتہاد و مست ہوتی ہے اسی لئے  
عصمت اس شخص کی صفت ہو جاتی ہے  
یہ چیزیں نبوت کے عظیم لوازم ہیں  
میں عاقلہ اللہ اسی طرح جاری ہے کہ  
نبوت صرف ایسے ہی شخص کو عطا کی جاتی  
ہے جو ان اوصاف کے ساتھ پیدا کیا  
گیا ہو اور کتنے قدسی صفات انسان  
ہیں جن کے اندر ان اوصاف میں سے بعض  
یا اکثر موجود ہیں لیکن نبوت میں ان کا  
حصہ نہیں ہو سکا حسیا کہ مشہور مثل ہے  
دشوار گور خرد گزشت مگر آں کہ دود  
نہ ہر آنکو دود گور گزشت  
دہر کوشش کرنے والا ہرن شکا نہیں کر لیتا  
ہے لیکن یخود۔ ہے کہ جس نے ہرن  
شکار کر لیا ہے اس نے کوشش ضرور کی ہے  
دشوار ہر کوشش کرنے والا ہرن شکا نہیں کر لیتا

وَأَنَّكَ مِنْ صَادِقِي الْعَزَّازَةِ قَدْ سَمِعْتَ  
لیکن یہ بات ہے کہ جس نے ہر نبی کا ذکر کیا  
ہے اس نے کوئی شے بھی ضرور کی ہے

قَالَ اللَّهُ لَهَا يَا أَرْثَاوِيَّةُ  
اللَّهُ تَعَالَى كَا رِشَادِهِ  
أَعْلَمَ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ  
خدا اس کو خوب جانتا ہے جس کے  
رسول بنانے کا ارادہ رکھتا ہے۔

اس طویل اقتباس میں خط کشیدہ عبارت اس بات کی صریح دلیل ہے  
کہ عصمت لازم ذات ہوتی ہے نہ کہ لازم نبوت، کیونکہ عصمت اگر و صیف  
نبوت کا لازم ہوتی تو شاہ صاحب "لہذا عصمت صفت نبوت ہی باشد" تحریر فرما  
اور "صفت آدمی باشد" ہرگز نہ لکھتے۔

بہر حال قبل نبوت کے سلسلہ میں شاہ ولی اللہ صاحب کی منقولہ بالا  
عبارتوں میں اس تشریح کے علاوہ دو آیتوں کی طرف اشارہ بھی پایا  
جاتا ہے جو دراصل عصمت قبل نبوت کی دلیل ہیں۔ پہلی آیت یہ ہے  
اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ  
اللہ خوب جانتا ہے اس جگہ کو جہاں  
وہ رسالت رکھنے والا ہے۔

آیت اپنے مفہوم میں بالکل صریح ہے کہ جس شخص کا انتخاب رسالت  
نبوت کے لئے خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں اس کے اندر ایسے صفات و کمالات  
ضرور ہوتے ہیں جس کی بنا پر وہ شخص اس منصبِ علیل کا اہل قرار پاتا ہے

چنانچہ امام رازی فرماتے ہیں۔

قَالَ الْمَعْنَى أَنَّ لِلرِّسَالَةِ  
مَوْضِعًا مَخْصُوصًا مَوْضِعًا  
مَثَلُ الصِّفَاتِ الْمُسْتَعْنِيَةِ  
لَا حِلَّ لَهَا بِصِلَاحٍ وَضَعِ الرِّسَالَةَ  
فِيهِ كَانَتْ رِسَالَةً  
اِنَّ خَلَا۔

مطلب یہ ہے کہ رسالت و نبوت کے لئے  
ایک مخصوص جگہ ہے کہ اس کے مواضع اور  
جگہ اس کا رکھنا درست ہی نہیں لہذا جو  
ذات مخصوص ان صفات سے موصوف ہوگی  
وہ جس کے سبب سے وہ مقام رسالت کے  
اہل قرار پائے۔ وہی رسول بنائی جائے  
گی ورنہ نہیں۔

وَقَدْ سَمِعْتُ كَبِيرَ مَجْلِسِ

امام رازی کی اس عبارت کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ جس ذات کو  
آئندہ چلکر رسالت و نبوت کے مقام پر فائز ہونا ہے وہ قبل نبوت سے  
ہی فطری طور پر دوسرے تمام نفوس کے مقابلہ میں نہایت پاکیزہ، عالی  
کردار، نیک سیرت و رصالح ہوتی ہے یعنی وہ جو ہر قابل اپنے حسن  
عمل اور ذاتی استعداد کی وجہ سے رسالت و نبوت کا مستحق ہوتا ہے، اسی  
لئے نگاہ انتخاب بھی اسی پر پڑتی ہے۔ ایسا نہیں کہ دوسرے انسانوں کے  
درمیان اور اس کے درمیان کسی طرح کا کوئی فرق نہ ہو اس کے باوجود  
خداوند تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے عطا کئے خاص کے ذریعہ نبی یا  
رسول بنا دیا ہو بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ شخص اپنے اندر ایسے اوصاف

کلمات رکھتا ہے جو اس کو نبوت و رسالت کا مستحق بنا دیتے ہیں اور اسی اہلیت کی وجہ سے پروردگار عالم اس کو اپنے فضل و کرم سے نوازتے ہیں اور منصب نبوت پر فائز کرتے ہیں ان کے یہ اوصاف اگرچہ نبوت و رسالت دینے پر خداوند تعالیٰ کو مجبور نہیں کرتے تھے تاہم اس کے حصول کا مستحق ضرور بنا دیتے ہیں لیکن خداوند تعالیٰ کو اس فیصلہ پر مجبور اس لئے نہیں کرتے بلکہ جو ہر قابل ہوئے کے باوجود اگر خدا چاہے تو اس کو شرف نبوت عطا نہ کرے اگرچہ اس کا مستحق ہی کیوں نہ ہو۔ علامہ آلوسی علیہ الرحمۃ اسی اہیت کے تحت فرماتے ہیں۔

والمعنی ان منصب النبوة  
ليس مقامينال بمسايروعمو  
من كثرة المال والولد و  
تعاقد الا سباب والعقد  
وانما ينال بعضا من نفسه  
ونفس قدسية افاضها الله  
بقاى بعض الكرم والمجد  
على من كمل استعدادا و  
نفس بعضهم على ان لا قابح

معنی یہ ہے کہ منصب رسالت مال و اولاد کی  
ثروت یا سائر مساہل کی مراد الی کے ذریعہ  
نہیں ملتا ہے بلکہ لوگوں کا خیال ہے کہ  
وہ منصب تو ذاتی کمالات اور ظہار نفس  
کے سبب ملتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ بعض اپنے  
نفس و کرم سے اس شخص کو عنایت فرماتے  
ہیں جس کے اندر اس کی پوری طور پر اہلیت  
پائی جاتی ہے اور بعض اہلسنت نے اس  
بات کی تصریح فرمائی ہے کہ منصب رسالت

لا استعداد اذ الله الخ و  
هو لا يستلزم الایجاب الذی  
يقوله الفلاسفه لانه  
سجانه ان شاء اعطى و  
ان شاء امتنع وان استعداد  
المحل وما فی الواقع من  
انه لا يشترط فی الاستعداد  
الاستعداد اذ الله الخ  
بل الله يختص برحمته  
من يشاء معمول على  
الاستعداد اذ الله الخ  
الموجب فقد جرف  
مادة الله تعالى ان  
يبحث من كل  
قوم ۱ شر فہم و  
۲ طہرہم جبلة  
و تمام ۳ لبحث

و نبوت ذاتی صلاحیت کے تابع ہوتا ہے  
لیکن اس کا مطلب لازمی وجوب نہیں ہے  
و ہر اہلیت والے کے لئے رسول بنا دینا خدا  
کے ذمہ ضروری نہیں ہے (جیسا کہ فلاسفہ کا  
کہنا ہے کیونکہ (اہلیت و استعداد کے  
باوجود اگر خدا چاہے تو دے دے اور اگر  
نہ چاہے تو نہ دے اگرچہ محل میں استعداد  
موجود ہو۔ باقی مواقف کے اندر جو نکھا  
ہے کہ رسالت عطا کرنے کے لئے ذاتی  
استعداد و شرط نہیں ہے بلکہ اپنی  
رحمت سے جس کو چاہتا ہے خاص کر لینا  
ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ استعداد  
ذاتی شرط نہیں ہے بلکہ لازمی طور پر  
رسالت کو واجب کر دے کیونکہ عادتہ  
اللہ اسی طرح عادی ہے کہ ہر قوم سے  
رسالت کا انتخاب اس شخص کے حق میں ہوتا  
ہے جو ان میں اس شرف و اعلیٰ اور پاکیزہ

فی موضوعہ

فطرت ہوتا ہے اور مسئلہ کی مکمل تفصیل

روح المعانی ص ۲۳۱، ۲۳۲ اپنے مقام میں مل سکتی ہے۔

دوسری آیت جس طرف شاہ ولی اللہ صاحب نے اشارہ فرمایا تھا وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے متعلق ہے کہ قبل نبوت زلیخا کے ساتھ ان کو جو واقعہ پیش آیا وہاں عصمت خداوندی ہی نے ان کو گناہ سے محفوظ رکھا ورنہ اس کے سارے اسباب و دواعی مکمل ہو چکے تھے۔ خدائی حفاظت شامل حال نہ ہوتی تو بچنے کا کوئی سوال ہی نہ تھا چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ زَلِيخَا بِطَبَا  
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَابْتِغَاءَ مَوْلَا  
وہ زلیخا تو پہنچنے ارادہ کر ہی چکی تھی اور  
وہ حضرت یوسف علیہ السلام بھی کر بے گناہ  
اپنے رب کی برائی نہ دیکھ بیٹے۔

یعنی خدائی عصمت ہی درمیان میں حائل ہو گئی تھی جس نے حضرت یوسفؑ کو اس اقدام سے باز رکھا۔ خود زلیخا کا بیان بھی قرآن میں اس طرح منقول ہے فرمایا گیا۔

وَلَقَدْ دَاوَدُ دَاوُدَ عَنْ  
مِنْهُ فَاسْتَعْتَمَ  
میں نے تو اس کو بہلا تا پہلا تا  
چاہا مگر اس نے عصمت کو کام میں لایا۔  
اور اس لئے محفوظ رہا۔

عصمت قبل نبوت کی اس سے واضح اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ خود واقعہ کی تعبیر میں خداوند تعالیٰ نے ”استعصم“ کا لفظ استعمال فرمایا ہے تاکہ قبل نبوت عصمت کا واضح ثبوت ہو جائے۔ ان وضاحتوں کے سامنے آجائے کے بعد عصمت کے لازم ذات ہونے سے انکار کیلئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی ہے کیونکہ دلائل سے ثابت ہو گیا کہ قبل نبوت بھی اللہ تعالیٰ کی خصوصی توجہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ ہمیشہ خداوند تعالیٰ کی نگرانی اور اسی کی حفاظت میں ہوتے ہیں۔ اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں اہلسنت میں سے کسی ایک فرد کا بھی کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ اس عصمت کی قوت اور اس کا عمل کس حد تک گناہوں سے روکتا ہے اس مسئلہ میں کچھ تفصیل ہے۔

کیا عصمت زمانہ نبوت و رسالت کے پہلے بھی ہوتی ہے؟  
میں جو تحقیقات تحریر کی جا چکی ہیں ان سے یہ حقیقت بالکل بے غبار ہو گئی ہے کہ عصمت زمانہ نبوت کے پہلے سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اپنی پہلی زندگی پر ولیعہد کرتا ہے اور اس کو اپنی بے گناہی اور صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کرتا ہے۔

فَلَقَدْ لَقِیْتُ ذَکَیَّہَ عَمْرًا  
میں تمھارے درمیان ایک زمانہ تک

من قبلہ ۲ خلافت نقیون رد دعوی نبوت و رسالت کے پہلے بھی رہ چکا  
(سورہ نون) ہوں کیا اتنا بھی نہیں سمجھتے ہو۔

علامہ آلوسی علیہ الرحمہ اسی آیت کی تفسیر میں ایک معنی یہ بھی بیان فرماتے  
ہیں۔

و المعنی قد عشت فیہا بین مطلب یہ ہوا کہ میں نے تمہارے ہی درمیان  
ظہرا منکم فی السوحی لا رہ کر دینی کے قبل بھی ایسی نہ ہوگی گداری ہے  
انقرض لا حد یتحکم د لا کہ بھی کسی سے زیادتی کے ساتھ کوئی تفرق نہیں  
جدال ولا احدہ حوالہ کیا اور نہ جنگ و جدال کیا اور کسی موقع پر ایسی  
مقال خبیہ شامیہ بات کے قریب بھی نہ پھٹکا جس میں جھوٹ کے  
شہادۃ فضلا عتہ شبہ کا بھی کوئی شائبہ ہوا اور جھوٹ یا الزام  
فیہ کذاب و انفراد الا تراشی تو بڑی چیز ہے کیا تم لوگ ان باتوں  
فلاح طوفانہ و روح المعانی ص ۱۱۱ پر غور نہیں کرتے ہو۔

یہ آیتیں اس بات کا واضح ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ زمانہ نبوت کے قبل بھی  
کوئی نبی عام انسانوں کی طرح نہیں ہوتا ہے۔ ایک نبی کی ذات کے درمیان  
اور دوسرے انسانوں کے درمیان جو واضح فرق ہے اس کو تسلیم نہ کرنا  
پلے درجہ کی جہالت کے سوا کچھ نہیں رہی یہ بات کہ زمانہ نبوت سے قبل  
یعصمت ان کی ذات کو کن کن گناہوں سے محفوظ رکھتی ہے یہ ایک تفصیل طلب ہے

اتنی بات پر تو تقریباً پوری امت کا یا کم از کم اہلسنت کا بلا کسی اختلاف کے  
بالکل اتفاق و اجماع ہے کہ وہ قبل نبوت بھی کفر و شرک سے محفوظ ہوتے ہیں  
مسلم الثبوت اس کی شرح نواتج الرحمت کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ  
عقل کی۔ دسے قبل نبوت ہر گناہ کا صدور ممکن ہے لیکن یہ صرف عقل کی بات  
تھی واقعہ کیا ہے اور جو چیز علماً و قوع پذیر ہوتی ہے وہ شرعی حکم کیا ہے  
علامہ محب اللہ بہاری سلم الثبوت میں اور علامہ عبد العلی بحر العلوم اس  
کی شرح نواتج الرحمة میں گزشتہ عبارت کے متصلاً ہی بعد تفسیر  
فرماتے ہیں۔

و اما السوا فمع التواتر یعنی اوپر جو کچھ تحریر ہوا وہ عقلی بات تھی لیکن  
من لدن آدم ابوالبشر جو وقوع پذیر ہو نیوالی تواتر حقیقت ہے  
الحق فینا د موطا منا وہ یہ ہے کہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے  
افضل السلسلہ میکر ہمارے آقا اشرف المخلوق حضرت محمد  
اشرف المخلوق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی ایسے شخص کو نبی  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بنا یا گیا جو کسی وقت میں ایک لمحہ کے  
دو مسلم انہ لم یبعث فی قطا شریک میں مبتلا رہ چکا ہو۔ اس بات  
کی تصریح امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقد اکبر میں فرمائی ہے۔  
و نواتج الرحمت ص ۱۱۱



معلوم ہو کہ شرعاً کسی نبی کا قبل نبوت یا بعد نبوت کفر و شرک میں ایک لمحہ کے لئے بھی مبتلا ہو جائے ناممکن نہیں ہے شرح مواقف میں علامہ سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ تصریح فرماتے ہیں۔

ناما الکفر فاجتمعت الامة  
على عصمتهم منه (رد المحتار ج ۲۲)  
جہاں تک کفر کا تعلق ہے تو اس سے معصوم  
ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے  
ماشیہ تیرا اس میں ہے۔

واما الکفر فاجتمعت الامة  
على عصمتهم قبل النبوة وبعدها  
والاختلف لاحد منهم الاتمين  
(ماشیہ تیرا ج ۲۵)  
بہر حال کفر و شرک تو اس سے معصوم ہونے  
پر پوری امت متفق ہے قبل نبوت بھی  
اور بعد نبوت بھی سوا ان کے جو سواد اعظم  
سے الگ ہو چکے ہیں

امام رازی فرماتے ہیں۔

والکفر غايه ما لا يجتمع فيه  
علامہ تقی زانی شریع عقائد میں تحریر فرماتے ہیں۔

انهم معصومون عن الکفر قبل  
و بعدة بالاجماع وشرح عقائد  
محقق علی الاطلاق لما علی تارک شریع فقہ ائمہ میں لکھتے ہیں۔

فان الانبياء معصومون عن الکفر  
مطلقاً بالاجماع وشرح فقہ ائمہ  
بلا مشیہ انبیاء اکرم علیہم السلام علی الاطلاق (مختار  
و بعدة جلد ۱ صفحہ ۱۰۰) کفر و شرک باجماع ائمہ

علامہ آلوسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

فالانبياء معصومون عن  
الکفر قبل النبوة وبعدها  
(رد المحتار ج ۲۲)  
انبیاء اکرام علیہم السلام نبوت سے پہلے  
اور نبوت کے بعد بھی کفر سے معصوم  
ہوتے ہیں۔

ایک طالب حق اور منصف مزاج کے لئے یہ ٹھوس حوالے کافی سے  
زیادہ ہیں لیکن معاند اور ہیٹ دھرم سے صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ  
گزشتہ بیند بروز شپہ چشم چشمہ آفتاب را پہ گناہ  
یہ تمام عبارتیں اپنے مفہوم اور مراد میں بالکل واضح اور صاف ہیں۔  
کسی مزید تشریح کی مطلقاً کوئی ضرورت نہیں ہے البتہ یہ چیز ذہن نشین  
ہو جانی ضروری ہے کہ یہ مسئلہ اجماعی اور پوری امت کا متفق علیہ ہے۔ مگر  
کسی کا اختلاف ہے تو وہ ایسے ہی لوگ ہیں جن کا سواد اعظم سے خارج ہونا  
قطعاً اور امت میں شامل ہونا خود ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ چنانچہ علامہ  
آلوسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

لا یکاد یقول هذا الا الزناد  
من الخوارج ما انهم علیہم  
ما یتخفون جوز و الکفر  
حشاہم فساد دہ  
انبیاء سے کبر کے انکار کا کوئی بھی  
خوارق کے فرد ارتد کے علاوہ اس بات  
کا قائل نہیں ہے کیونکہ یہ فرد علیہما علیہ  
سوا شدہ انبیاء اکرم علیہم السلام کے لئے کفر کا

ادنیٰ ما الذی یسیر فی روح المعانی ص ۲۴۴  
از کتاب حاضر قرار دیتا ہے تو اس سے کم درجہ کا  
گناہ بدرجہ اولیٰ جائز قرار دیکھا۔

فرقہ ازارقہ ہی کی طرح مشیعہ حضرات تقیہ جائزہ قرار دیتے ہیں  
مگر امام رازیؒ نے کہا ہے کہ صرف تقیہ کے طور پر کفر کو جائز قرار دینا صریح  
ان میں سے فرقہ امامیہ کا مسلک ہے اسی طرح انہوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ  
خوارج کے فرقہ فضلیہ کے نزدیک بھی انبیاء کے لئے کفر جائز ہونا چاہئے  
فرماتے ہیں۔

وقامت الضمیر من الخوارج فرات میں سے فرقہ فضلیہ کا کہنا ہے  
انہم قد دفعت مہم انبیاء کرام سے گناہوں کا صدور ہوگا  
الذین ذللت عندہم اور پھر شاہ ان کے نزدیک کفر و شرک ہے  
کفر و شرک فلا حسوم میں بلا مشدہ لوگ اس بات کے قائل ہوئے  
قالوا یونہی عن الکفر و الاحادیث کہ انبیاء علیہم السلام سے کفر کا وقوع بھی  
الامامہ علیہم اظہار الکفر ہوتا ہے اور مشدہ کے فرقہ امامیہ نے طور  
على سبیل التقیہ و تقیر کبر ص ۲۴۴ تقیہ کفر امامیہ کیسے جائز رکھا ہے۔

فرقہ ازارقہ اور فضلیہ کی طرح مولانا مودودیؒ نے بھی انبیاء کرام علیہم  
السلام کے لئے کفر و شرک کا جواز و وقوع درست قرار دیا ہے جس کی  
تفصیلی بحث آئندہ صفحات میں آئیوالی سے یہاں تو صرف یہ بات ذہن

نشین کرنا مقصود ہے کہ فضلیہ اور ازارقہ کے علاوہ تمام اسلامی فرقے صد ما  
اعتقادی و عملی مسائل میں اختلاف کے باوجود اس نکتہ پر متفق ہو جاتے ہیں  
کہ کسی نبی سے زمانہ نبوت کے پہلے یا بعد کسی وقت کفر و شرک کا وقوع  
صدور نہیں ہوا ہے اگر اس اجماعی عقیدہ سے اختلاف ہے تو صرف مولانا مودودیؒ  
صاحب کو ہی اختلاف ہے بلکہ اہلسنت و اجماعت کا تو مختار مسلک یہ ہے  
کہ کفر و شرک کی ہی طرح تمام کبار کے عداوت کا ب سے بھی قبل نبوت انبیاء  
معصوم ہوتے ہیں۔

**انبیاء قبل نبوت کبار سے بھی معصوم ہوتے ہیں** | مطابق بالاعتقاد

کبار سے معصوم ہونے میں اہلسنت کے درمیان تو کوئی اختلاف نہیں ہے  
بلکہ شیعہ حضرات اور اکثر معتزلہ بھی قبل نبوت کبار کے عداوت کا وقوع سے نبی کو  
معصوم ہی مانتے ہیں البتہ بعض معتزلہ وغیرہ اس سے اختلاف رکھتے ہیں لیکن  
وہ اہلسنت اور امت کے سوا اور عظیم سے چونکہ خارج ہیں اس لئے ان کے اختلاف  
سے کسی اجماعی مسئلے پر اثر نہیں پڑتا۔

**صہو کبار سے قبل نبوت معصوم ہونا مختلف فیہ ہے** | زیادہ تر  
اعلام اہلسنت

قبل نبوت سہوا کبار کا صدور جائز مانتے ہیں۔ بعض لوگوں نے اسی کو مختار و صحیح بھی قرار دیا ہے لیکن اکثر محققین سہوا کبار سے بھی قبل نبوت معصوم ہونے کو صحیح و مختار قرار دیتے ہیں اس جگہ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ جن لوگوں نے کبار کا صدور قبل نبوت یا بعد نبوت جائز قرار دیا ہے انہوں نے اس کے ساتھ ہی ساتھ دو باتوں کی تشریح بھی کی ہے اول یہ کہ اتفاقی طور پر اگر کسی کبیرہ کا صدور ہو جاتا ہے تو فوراً تنبیہ کر دی جاتی ہے اور وہ اس پر قائم نہیں رہ پاتے بلکہ صدور کے پہلے ہی ارادہ اور خیال پیدا ہوتے وقت ہی ان کو تنبیہ ہو جاتی ہے۔ ہر دو گویا اس سے باز رہتے ہیں۔ اس شرط کو ملحوظ رکھنے کے بعد دونوں خیالوں کے درمیان کوئی اختلاف یا جوہری فرق باقی نہیں رہ جاتا چنانچہ عصمت کے اجماعی قول اور بعضوں کے اس اختلاف کے درمیان تطبیق کرتے ہوئے ملاحظہ قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

والجہ ہو صدور وقوع الکبار  
جہور نے کبار کا سہوا اور منکر کا نقد  
صہو و العفاس و عذر الکن اث  
و قوع جائز انا ہے لیکن ان کے تحقیق یہ  
المحققین منهم ان شرطوا ان سہوا  
شرط لکاتے ہیں کہ ایسے اہل ایمان پر انبیاء کرام  
علیہم بنی ہو اعنہ فعلی ہذا  
کو متنبہ کر دیا جاتا ہے اور وہ ان سے یک  
قول الجہور ولا ینافی الإجماع  
جاتے ہیں لہذا اس توجہ کے بعد جہور کا  
المدکور دعوات میرا  
قول مذکور اجماع کے خلاف نہیں رہتا ہے۔

تاکلیف جو اس نے جو دوسری بات اس جگہ ملحوظ رکھی ہے اس کو سامنے رکھنے کے بعد بھی یہ اختلاف ختم ہو جاتا ہے کیونکہ یہ حضرات اس بات کی تصریح فرماتے ہیں کہ یہ فعل صرف صورت گناہ نظر آتا ہے ورنہ درحقیقت یہ سوسے سے کوئی گناہ ہے ہی نہیں اگرچہ اپنی ظاہری شکل و صورت کے لحاظ سے گناہ معلوم ہوتا ہے لیکن گناہ کی حقیقت اور معنویت کا اس میں کوئی نام و نشان نہیں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ حضرات اس فعل کو لفظ زلت سے تعبیر کرتے ہیں تاکہ اس کے حقیقی گناہ نہ ہونے کی طرف اشارہ قائم رہے چنانچہ اسی مسئلہ کے ذیل میں شمس الاممہ حسنی زکریا کی وضاحت فرماتے ہیں۔

واما الزلة فلا یوجد فیہا  
زکریا میں خاص اسی کا قصد نہیں پایا جاتا  
القصد الی عینہا و لکن یوجد  
اگرچہ اصل فعل کا قصد ہوتا ہے کیونکہ نقد  
القصد الی اصل الفعل لانہا  
زکریا میں عرب کے اس مقولہ سے اخذ ہے  
أخذت من قولہم زلت  
کر آدمی کیچڑ میں پھسل گیا جب کہ گرنے کا  
الرجل فی الطین اذا لحد  
یا اس میں گر کر پڑے رہنے کا کوئی قصد  
یوجد ۲ القصد الی الوقوع  
ہیں ہوتا اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ

لذہم من الخفیۃ و انما قیہ جورد الزلة فیہا ای الکسائر الصفا  
بعد النبوة و قبلہا بات یقصد المباح فیلزم معصیۃ کر کر مری علیہ  
القبطی و نواتج الرجوح باختصار ص ۳

ولا الى النيات بعد الوقوع  
لكن وحده القصد الى المشي  
في الطريق والمايو اخذ عليها  
لانها لا تخلص من نوع تفصيل  
يمكن للمكلف الاحتراز عنه  
بعد النية واما المعصية الحقيقية  
فهي فعل حرام يقصد الى نفسه  
مع العلم بحرمته (تدريج ص ۷۷)  
کام نام ہے۔

اس عبارت سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اس فعل کو  
حقیقی گناہ کے معنی میں یہ لوگ بھی تسلیم کرنے کے لئے کسی طرح آمادہ  
نہیں ہیں۔

**گناہ کی دو قسمیں ہیں** | اس جگہ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے  
کہ گناہ کی ایک قسم تو وہ ہے کہ جس پر اس کے  
خوات و رشتہ کار ترتب ہوتا ہے جبکہ حقیقی گناہ کہنا چاہئے اس گناہ سے  
قبل نبوت یا بعد نبوت انبیاء کرام کے معصوم ہونے میں قائلین جواز کو بھی کوئی  
اختلاف نہیں ہے البتہ وہ امور جو اپنی صورت اور ظاہر کے لحاظ سے گناہ نظر  
آتے ہیں اگرچہ گناہ کے شمار و نتائج کا ان پر ترتب نہیں ہوتا۔ اس ظاہری

گناہ کا وقوع یہ حضرات جائز تصور کرتے ہیں چنانچہ علامہ عبد علی کرا العلوم  
اسی مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

واعلم انه كما يجوز عليهم  
الصلاة والسلام الزلة بحدود  
الخطا فيفقد فيها يكون  
معصية لو لم يكن خطأ  
وكذا السهو۔

د فوارج الروح ص ۷۷  
اور خطا ہی کی طرح ان سے سب بھی ہو سکتا ہے  
اس عبارت میں اس بات کی تشریح کر دی گئی ہے کہ اس نہ تحت خطا  
یا سہو کو حقیقی معصیت نہ سمجھنا چاہئے۔ یہی بات کہ ان چیزوں کو ہم حقیقی  
معصیت کیوں نہیں کہہ سکتے تو اس کی وجہ علامہ عبد علی اشارتاً یہ بیان  
فرماتے ہیں کہ۔

والسرفي هو انذار الله ليس المعصية  
حقيقة و فوارج الروح ص ۷۷  
ان مور کے جو نذر منہ کا اصل راز یہ ہے  
کہ در حقیقت یہ گناہ میں ہی نہیں  
یہ امور گناہ کیوں نہیں ہیں اس کی تشریح اس طرح فرماتے ہیں

ثم الزلة ليس فيها معصية  
من وجهين هي مباح  
بمن رقت رايه في حد يسير كمن طرد  
معي افرانك في معصية ليس۔ بلکہ یہ تو ایک

کَمَا قَالَ اللَّهُ نَحْنُ ذُو الْأَرْوَاحِ مَا كُنَّا  
بِشَيْءٍ مِمَّنْ يَتَّبِعُونَ مَوْتَهُمْ  
إِنْ خَطَاؤُهُمْ  
اور مباح ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے  
کسی مومن کے لئے نہ وہ انہیں کہ وہ صاحب  
ایمان کو قتل کر ڈالے لایہ کہ یہ فعل خطا  
در احوال مفسر

در حقیقت یہ اختلاف لفظی ہے | مذکورہ وضاحتوں کے سامنے  
آجائے کے بعد یہ بات بالکل  
 روشن ہو جاتی ہے کہ ان دونوں راویوں کے درمیان کوئی حقیقی اختلاف  
 نہیں ہے بلکہ صرف تعبیر کا اختلاف ہے کیونکہ جو لوگ سہواً کبار کا صدور  
 جائز نہیں مانتے وہ حقیقی گناہ ان کو تصور نہیں کرتے ہیں اس لئے گناہ  
 سے ان کی تعبیر وہ پسند نہیں کرتے اور ان کی نفی کرتے ہیں لیکن جو لوگ اس  
 تعبیر کو رد کرتے ہیں وہ اس کے حقیقی گناہ ہونے کی نفی کرتے ہیں۔ اور  
 ایسے امور کے حقیقی گناہ نہ ہونے پر ان کے نزدیک کچھ دلائل بھی ہیں۔  
 مثلاً علامہ عبد العلی کی آخری عبارت میں ایک دلیل کی طرف اشارہ موجود  
 ہے چنانچہ اکفروں نے آیت دَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَفْتُلَ مَوْمِنًا إِلَّا خَطَاؤُهُ  
 سے اپنے موقف پر استدلال کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر قتل خطا  
 ہے، یہ ہی فرمایا گیا ولین علیکم جناحاً لینا اخطا بعدہ و احزاباً جو کام تم نے  
 فعل سے کرے ہیں میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے ۱۲

واقع ہو جائے تو اس کا شمار اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی اس روشنی میں حقیقی گناہ  
 کے ذیل میں نہیں ہوگا اس کی مزید وضاحت کے لئے اس بات پر غور کرنا چاہئے  
 کہ ایک شخص بالقصد والا ارادہ تو ایک مباح اور جائز کام کرنا چاہتا ہے لیکن  
 وہ ہو گیا حرام اور ناجائز اس میں اس شخص کا کیا قصور ہے کہ اس سے مواخذہ  
 کیا جائے مثلاً کسی نے دوسرے ایک شکار پر تیر چلایا لیکن شکار تو سامنے سے  
 ہٹ گیا اچانک ایک آدمی نشانہ پر آگیا اور تیر اس کو لگ گیا ظاہر ہے کہ ایسی  
 صورت میں اس شخص کا کیا قصور ہے اس نے تو شکار پر تیر پھینکا تھا جو ایک  
 جائز اور مباح کام ہے لیکن تیر لگ گیا انسان کو جو اگرچہ جائز نہیں ہے مگر  
 تیر چلانے والا بے قصور ہے کیونکہ اس کا ارادہ یہ نہیں تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام  
 کے ساتھ یہی صورت پیش آئی تھی کہ ظالم شخص کو ظلم سے روکنے اور ایک مظلوم  
 کی مدد کرنے کے لئے جو بالکل جائز اور مباح امر تھا انھوں نے اس شخص کو  
 ایک گھونٹہ مارا لیکن بد قسمتی سے وہ مر ہی گیا ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا  
 ارادہ جان مارنے کا نہیں تھا یہی وجہ ہے کہ قرآن میں اس فرق کو ملحوظ رکھتے  
 ہوئے واقعہ کی تعبیر کی گئی چنانچہ یہ نہیں ارشاد فرمایا گیا کہ ”و قتلہ موسیٰ“  
 کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو مار ڈالا یا ”و بکرموسیٰ“ کہ موسیٰ علیہ السلام نے  
 اس کو قتل کر ڈالا یا ”اماتہ موسیٰ ضرباً“ کہ موسیٰ نے اس کو اس قدر مارا کہ مر گیا۔  
 چونکہ موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ تو صرف تنبیہ اور ظلم سے روکنے کا تھا اس لئے

صرف ایک گھونہ مارا مگر اتفاق سے اس کی موت اتنے ہی میں ہو گئی۔ اس فرق کو واضح کرتے ہوئے واقو کی تعبیر ان الفاظ میں کی ہے۔

مؤکذ کا مسو سخی فغضی موسیٰ سے اس کو دھڑکا ایک ہی گھونہ مارا  
حدیث ۵ لیکن اس کا دانتے ہی میں اکام تمام ہو گیا۔

یہی وہ باریک نکتہ تھا جس کو فرعون نہیں سمجھ سکا۔ جب اس نے موسیٰ علیہ السلام پر اس قتل کا جرم عائد کیا تو انھوں نے اس کج فہمی کو محسوس کرتے ہوئے یا اصل کام جو اس وقت تبلیغ و رسالت کا تھا جس کے لئے اس وقت دربار فرعون میں تشریف لے گئے تھے اس موضوع سے مسئلہ گفتگو کے ہٹ جانے کا اندیشہ تھا اس لئے بات مختصر کر لی اور فرمایا جس وقت مجھ سے یہ فعل ہوا تھا میں رسول نہیں تھا یا یوں کہئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت بھی اس نکتہ کی طرف فرعون کو متوجہ کیا لیکن ان کی بات کو اقرار جرم پر محمول کر کے مردود حضرت موسیٰ کے ذمہ الزام لگاتا ہی رہا کیونکہ حضرت موسیٰ کے اس ارشاد کا مطلب مفسرین نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے۔

وقال فعلتہا اذ اذنا من حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ میں نے کہا تھا خود  
انصا لکین را الجاہلین بانہا لیکن میں اس وقت اس سے بے خبر تھا کہ  
تبلغ القتل (تعبیر ممدادت صحیحہ) معاملہ موت تک پہنچ جائے گا۔

یعنی گھونہ چلانے کا مقصد جان سے مارنا نہیں تھا بلکہ محض دفع ظلم کیلئے

مجھے یہ خبر تھی کہ ایک ہی گھونہ میں مر جائے گا لہذا قتل کر دینے کا ارادہ نہیں تھا اس لئے یہ الزام درست نہیں اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق بخاری و مسلم کی یہ روایت جو مشکوٰۃ ص ۶۵ پر ہے کہ

لم یکن ذاباً براہیم آت حضرت ابراہیم سے نین سوانح کے علاوہ کبھی  
ثبوت کذب بات کذب کا صدور نہیں ہوا۔

اس کی شرح میں علامہ علی قاری تحریر فرماتے ہیں۔

لانہا کا ثبوت صورتہا صورتہ چونکہ اس کی ظاہری صورت کذب کی تھی  
الکذب سمیت کذب بات... اس لئے لفظ کذب سے تعبیر کر دیا گیا اور  
امانی نفس التملیٰ کذب (مشکوٰۃ ص ۶۵) حقیقتاً یہ کذب نہیں تھا۔

اس عبارت سے بھی روز روشن کی طرح واضح ہو گیا ہے کہ گناہ کی دو قسم صورت اور حقیقت کرنا صحیح ہے اور جن محققین نے قبل نبوت یا بعد نبوت اس کا صدور تسلیم کیا ہے وہ اس تقسیم کے قائل ہیں سہو اکیرہ کے سلسلہ میں ان وضاحتوں کے سامنے آجانے کے بعد یہ چیز از خود واضح ہو جاتی ہے کہ اس اختلاف میں کوئی جوہری اور معنوی فرق نہیں ہے کیونکہ جو لوگ سہو اکیرہ کا صدور ہی صرف صورتہ گناہ مانتے ہیں حقیقتاً گناہ نہیں کہتے ان کے نزدیک یہ عصمت کے بھی منافی نہیں ہے اس لئے کہ عصمت تو حقیقی گناہوں سے روکنے والی صفت کو کہتے ہیں اور جو لوگ اس کو حقیقی گناہ



سمجھتے ہیں وہ اس کا صدور ہی نہیں مانتے لہذا اختلاف صرف لفظی ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ جو لوگ قبل نبوت یا بعد نبوت کبیرہ گناہوں کا صدور جائز مانتے ہیں وہ بھی اس بات کی تصریح فرماتے ہیں کہ جو گناہ صغیرہ ہیں اگر وہ خست و دناست اور زالت طبع پر دلالت کرتے ہیں تو ان کا صدور بہر حال قبل نبوت بھی ممکن و روا نہیں ہے گو یا عیب اور نفرت کا باعث جو امر ہے وہ سب کے نزدیک بالا اتفاق گناہ اور قابل نفرت ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

واما الصغائر المنفردة كخيانة  
لعمية او حبة وتسمى صغائر  
المختصة فہم معصومون  
عنہا مطلقا و كذا من  
غیر المنفردة نظیرة العینة  
عمداً ۱۔

(مسامحة معاً)

علامہ تفتازانی فرماتے ہیں۔

والحن منہ ما یوجب المنقر  
كہر الایمان والفسود  
اور حق بات یہ ہے کہ جو قابل نفرت گناہ ہیں  
جیسے ماں کے ساتھ زنا کرنا یا بے حیائی کرنا

۲۱ لصفا مشر الدالة علی  
در شرح عقائد مقام  
اور خیر قسم کے منافی یہ سب معاد  
نہیں ہوتے۔

بعد نبوت بھی عصمت میں یہی تفصیل ہے  
قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی  
مشہور سیاحت بالانڈین میں تحریر فرماتے ہیں

امام انبیاء عظیم السلام کیا کر و صفا  
یہ معصوم ہیں  
دلیل بدست صحت

اسی جگہ مالابند نے کے نام سے حاشیہ میں یہ تفصیل موجود ہے۔

مذہب جیور آفتک انبیاء و  
زمان نبوت معصوم انداز صغائر عمد  
وسوء و خطا و اندکبائر عمد  
فی شرح المواقف للعبد جانی و  
شرح العقائد للتفتازانی و در شرح  
قصیدہ امالی مذکور است صدور کبیرہ و  
صغیرہ عمد متبل و حی و بعد آں اند انبیاء  
منوع اما صدور صغیرہ سوء و ندرہ  
قبل از نبوت جائز است و بعد آں۔  
(حاشیہ مالابند صحت)

جمہور اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ انبیاء  
عظیم السلام نبوت کے زمان میں عمد، سوء  
اور خطا کیا کر سکتے معصوم ہوتے ہیں جیسا  
کہ علامہ جرجانی کی شرح مواقف اور علامہ  
تفتازانی کی شرح عقائد میں ہے اور  
شرح قصیدہ امالی میں لکھا ہے کہ صغیرہ و  
کبیرہ کا عمد و توع وحی کے پہلے یا وحی کے  
بعد جائز نہیں ہے لیکن شاذ و نادر طریقہ یہ  
سوء صغیرہ کا دتوع قبل نبوت اور بعد  
نبوت بھی جائز ہے۔

خلاصہ یہ کہ اب تک کی جو تفصیلیں کیا کر عہد اور سہو یا صغائر خسیہ کے متعلق آچکی ہیں ان کے اندر قبل نبوت اور بعد نبوت دونوں حالتوں میں حکم ایک ہی ہے البتہ صغائر کے متعلق اختلاف ہے لیکن حق یہی ہے کہ عہد صغائر سے قبل نبوت اور بعد نبوت دونوں حالتوں میں معصوم ہوتے ہیں اور سہو کے متعلق وہی اختلاف لغلی یہاں بھی موجود ہے جس نتیجہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حاصل بحث یہ کہ انبیاء کرامؑ ہر بات میں قبل نبوت یا بعد نبوت دونوں حالتوں میں معصوم ہیں۔

**حق یہی ہے کہ انبیاءؑ اپنی پیشی معصوم ہیں** | اب تک جو حوالے سامنے آ گئے ہیں ان سے یہ بات واضح طریقہ پر سمجھ میں آچکی ہوگی کہ انبیاء کرامؑ علیہم السلام کا زمانہ نبوت کے پہلے ہی معصوم ہونا ایک مسلم حقیقت ہے لیکن یہ بات اب تک صاف نہ ہو سکی کہ زمانہ نبوت کے پہلے عصمت کے ثبوت کے لئے کوئی مقررہ امتین وقت بھی ہے یا نہیں اگر ہے تو اہلسنت والجماعت کے نزدیک وہ کون سا وقت ہے جس سے عصمت کی ابتدا تسلیم کی جائے تو اس سلسلہ میں لوگوں کے خیالات مختلف ہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں تحریر فرماتے ہیں،

اختلف الناس فی وقت العصمة عصمت کے وقت سے متعلق لوگوں کا اختلاف  
علی ثلثة اقوال واحدھا ہے اور اس میں تین اقوال ہیں اول ان  
قول من ذهب الی انہم لوگوں کا قول ہے جو اس طرف گئے ہیں کہ

معصومون من وقت مولدہم نبیاء معصوم ہوتے ہیں اپنی ولادت کے وقت  
دھو قول الراضة رونا یہاں تو  
من ذہب الی وقت عصمتہم وقت  
بلوہم و لہم یجوز و انہم  
ار کتاب الکفر و الکبیر و جنبل النبوة  
دھو قول کثیر من المعتزلة و ثانیہا  
قول من ذهب الی ان ذالک  
لا یجوز وقت النبوة و اما قبل النبوة  
فما اشد دھوقہ لہ اکثر اصحابنا  
قول المجتہدین و الی علی من  
المعتزلة و غنیہ کیو ص ۳۳۲ اور بوعلی و جہاں، مقررہ کا ہے۔

اس جگہ امام رازی کے مسئلہ سے متعلق جو تین اقوال تحریر کئے ہیں ان میں سے بعض امور غریب ہیں کیونکہ انہوں نے تیسرے قول کو اپنے اصحاب کی اکثریت کا قول قرار دیا ہے جس سے یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ اہلسنت والجماعت کا قول مختار یہی ہے حالانکہ یہ بات کسی طرح درست نہیں ہے اس لئے کہ اکابر محققین اور علماء اہلسنت والجماعت کی بے شمار تصریحات اس کے خلاف موجود ہیں جس میں اکثر اصحاب کے اس قول کے خلاف دوسرے

قول کو اصح القول اور مذہب مختار بتایا گیا ہے اسی طرح قول اول کو اس جگہ امام رازی نے صرف شیعہ حضرات کا قول قرار دیا ہے حالانکہ یہ بات بھی درست نہیں ہے کیونکہ تنہا ان کا یہ قول ہرگز نہیں ہے بلکہ علماء محققین کے نزدیک اہلسنت والجماعت کا مسلک مختار بھی یہی ہے جیسا کہ آئندہ اس سلسلہ کے متعدد حوالوں سے یہ بات روشن ہو جائے گی۔ یہی چیز کہ جو مذہب شیعوں کا ہے اہلسنت اسے کیونکر اختیار کر سکتے ہیں تو اس سوال کو بھی علمائے اپنی جگہ حل کر دیا ہے چنانچہ شرح عقائد نفسی کی مشہور و متداول شرح نبراس میں ہے۔

ان قلت فہذا الذمۃ مذهب  
الشیعہ قلت اذ لا باس  
فی الاتقان اذ مقصود المناہج  
اتباع الاوافق وثانیاً ان  
بین الفرقین بعد المنورین  
لا ان الشیعہ علیٰ نجو یسر  
الکفر تفتیہ۔

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ یہ صحت کو شیعہ مذہب  
میں جواب دوں گا کہ کسی امر حق میں متفق ہو جانا  
سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا اس لئے کہ اگر  
کا مقصد قاتلہ حق ہے بشیو کی ہونے لائق  
نہیں ہے دوسری بات یہ بھی ہے کہ ہمارے  
اور شیعہ کے مذہب میں مشرق و مغرب کا  
فرق ہے اس لئے کہ وہ بطور تفریق کفر و ایمان

(نمبر ۱ ص ۴۵۵)

لہ یجوزون علیہم الکفر نفسیۃ عقلاً و شرعاً قبل النبوت و بعدھا

رضوانہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ص ۴۵۵

غرض یہ ہے کہ اس سلسلہ میں محققین اہلسنت والجماعت نے جو کچھ لکھا ہے ان سب کا حاصل یہی ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا وقت ولادت ہی سے معصوم ہونا مسلک حق ہے۔ نبوت کے بعد خود امام رازیؒ کے نزدیک بھی معصوم ہونا ہی مذہب مختار ہے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔

والمختار عندنا ان لا یصدر  
عنہم الذمۃ حال النبوت والما  
الکبیرۃ ولا الصغیرۃ (تفسیر کبیرۃ ص ۴۵۵)

ہم اہلسنت کے نزدیک مختار یہ ہے کہ انبیاء  
کرام سے بھانت نبوت کوئی گناہ نہیں ہوتا نہ  
کبیرۃ اور نہ کبیرۃ

قبل نبوت معصوم ہونے کے سلسلہ میں حاشیہ المابعد منہ کے حوالہ سے اہلسنت کا موقف گذشتہ صفحات میں نقل کیا جا چکا ہے مزید حوالے درج کئے جاتے ہیں حاشیہ نبراس میں ہے۔

والمختار عندنا ان لا یصدر  
عنہم الذمۃ حال النبوت والما  
قبلہا فان الکبیرۃ لا یصدر  
حمداً و فی حد و الصغیرۃ  
اختلاف و لا یصدر

ہم اہلسنت کا مذہب مختار یہ ہے کہ انبیاء  
علیہم السلام سے بھانت نبوت کسی طرح کا گناہ  
نہیں ہوتا اور نبوت کے پہلے کبیرۃ گناہ عدا  
نہیں ہوتا اور صغیرۃ گناہ کے قبل نبوت صدر  
میں اختلاف ہے اور ان مسائل سے متعلق

لہ عصمت انبیاء پر امام رازیؒ نے عقل و نقل سے ۱۹ دلیل قائم فرمائی ہیں۔ دیکھئے

تفسیر کبیر ص ۴۵۵

مسند کورنہ فی الطولات (عاشیہ بڑی) بڑی بڑی کتابوں میں موجود ہیں۔  
ہو لا تا صدیق حسن خاں صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

وذهب الاشاعرة الى ان  
الانبياء معصومون عن الكبائر  
مطلقاً اي عمداً وسهواً وعن  
الصغائر عمدًا اكد اصرح في شرح  
المواقف (الاستقار والرجح ص ۱۲۱) اسی طرح ہے۔

علامہ الحسن ابن عبدالحسن اپنی کتاب "الروضة البهيّة" میں رقمطراز ہیں۔

والامام ابوحنيفة ذكر في  
الفقه الاكبر ان الانبياء عليهم  
الصلوة والسلام معصومون  
عن الصغائر والكبائر جميعاً  
وهو الحق وخيد بعض الصحابة  
بعد الوحي فتجوز الصغيرة  
على سبيل التدرج ثم يهود  
حالهم وقت الانبياء الى  
الصلاح والسموات والارض

حضرت امام ابوحنيفہ علیہ الرحمہ نے فقہ اکبر میں  
لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کبار اور مختار  
سب سے معصوم ہوتے ہیں اور یہ بالکل حق  
ہے مگر بعض خفیوں نے اس کو وحی کے جبراً  
مقید کیا ہے لہذا ان کے نزدیک صغیر  
شاذ و نادر و قبل نبوت صادر ہو سکتا ہے  
اور پھر نبوت ملنے کے وقت تک ان کی  
حالت بہتری اور دوستی کی طرف بڑھ جاتی  
ہے اور صغیر کا صدور بھی ناجائز ہو جاتا ہے

الاشعری منعوا الکبائر  
وجوزوا الصغائر المحتمل  
الممنوع مطلقاً

اشاعرہ حضرات نے کبیرہ کا صدور کیلئے ناجائز  
قرمہ دیا ہے اور صغیرہ گناہوں کو جائز قرار  
دیدیا ہے لیکن حق علی الاطلاق تمام گناہوں

والروضة البهيّة طبع اول سنة ۱۳۲۲ھ

علامہ مفتا زکریا نے قبل نبوت کبیرہ کے متعلق کہا تھا کہ اس کے عدم صدور  
پر کوئی دلیل نہیں ہے نیز منائر کا صدور بھی قبل نبوت جائز رکھا تھا اسی لئے  
علامہ عبدالعزیز نے شرح کرتے ہوئے نبراس میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے۔

النبی الاول المذکور فی  
کلام الشارح هو مذهب عامة  
المتکلمین وخالفهم جمهور  
جمع من العلماء فذهبوا الى  
العمدة عن الصغائر والكبائر  
قبل الوحي وبعد كما هو المحض  
ابن النہمی شارح الفقه الاکبر

پہلی تنبیہ یہ ہے کہ شارح کی عبارت میں  
جو مذکور ہے وہ عام متکلمین کا مذہب ہے  
لیکن اس کے برخلاف جمہور محققین اور علماء کی ایک  
جماعت ہے جو اس طرف گئی ہے کہ عصمت  
صغائر و کبائر سے قبل وحی اور بعد وحی دونوں  
حالتوں میں حاصل ہوتی ہے یہی مختار ہے  
ابو النہمی شارح نے اکبر اور حضرت شیخ عبدالحق

والشیخ عبدالحق محدث دہلوی (نبراس ص ۴۵۵)

تقریباً اہلسنت والجماعت کے تمام محققین اس بات پر متفق ہیں کہ انبیاء  
علیہم السلام زمانہ نبوت کے قبل اور بعد دونوں حالتوں میں جملہ منائر و

لہ صادی نے بھی اسی کا اختیار کیا ہے و تحقیق صادی جلد ۱ ص ۱۲۰ تا ۱۲۱ کے نزدیک بھی مختار ہے جو جاننا ضروری ہے

دکبار سے معصوم ہوتے ہیں۔ محدث کبیر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اذا لانبياء معصومون قبل النبوة وبعدھا عن کیا نزل الذنوب وصغارها ورسولہا علی ما هو الحق عند المحققين وان كان لا کثرت علی خلاصہ (موتنا معنی) اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں

ملا علی قاری نے ابن حجر کے اس قول پر اعتراض کرتے ہوئے اپنی رائے اس طرح ظاہر کی ہے۔

نا الصحيح قول الجمهور وهو بعد من النبوة والکبار من الانبياء بعدا والصغار هذا بعد الوحي اما قبل الوحي فلا دلیل علی امتناع صدور الکبرية وذهب المعتزلة الى امتناعها وصفت الشيعة صدور النضير والکبر قبل الوحي وبعدها (موتنا معنی)

اس جگہ ملا علی قاری علیہ رحمۃ نے اگرچہ محققین کے قول پر مختار سے بظاہر اختلاف کیا ہے اور اکثریت اور جمہور کی رائے کی تصحیح کی ہے لیکن ناظرین کو یاد ہوگا کہ گذشتہ صفحات میں یہ بات ملا علی قاریؒ کے حوالے سے ہی بیان کی جا چکی ہے کہ محققین کے اس اجماعی خیال اور اکثریت کی رائے کے درمیان کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے بلکہ دونوں قول کے درمیان تطبیق اور موافقت کی صورت ممکن ہے جیسا کہ ملا علی قاریؒ کی بیان کردہ تطبیق ناظرین کے سامنے آچکی ہے جس سے یہ بات باسانی سمجھی جاسکتی ہے کہ اس جگہ ملا علی قاریؒ نے محققین کی رائے سے محض لفظی اختلاف کیا ہے ورنہ وہ بھی محققین کے قول کی طرف ہی رجوع کر چکے ہیں جیسا کہ مرقاة کے حوالے سے ان کی بیان کردہ تطبیق کے ذیل میں یہ بات گزرتی ہے اس کے علاوہ پوری صراحت کے ساتھ ملا علی قاریؒ کا رجوع محققین کے قول کی طرف ثابت ہے اس لئے کہ انھوں نے خود بھی شرح فقہ اکبر میں محققین کے ہی مسلک کو اصح اور مختار تحریر فرمایا ہے ان کے الفاظ یہ ہیں۔

ثم هذا المصحة ثابتة للانبیاء بعد النبوة وبعدها علی الاصح (شرح فقہ اکبر ص ۱۷۱) پھر یہ کہ کبار و صغار سے عصمت ثابت ہے انبیاء عیسیٰ اسلام کے لئے قول اصح کی بنیاد پر نبوت کے قبل بھی اور نبوت کے بعد بھی صغیرہ گناہوں کے سلسلے میں بھی صحیح عدم جواز ہی ہے جیسا کہ ار باب

تحقیق اکابر علماء اہلسنت بالخصوص احاث نے اس کی تصریح کی ہے فرماتے ہیں۔

رحباز قصد غیور ہا ای غایر صفائے خیر اور کیا اگر ان دونوں کو چھوڑ کر  
الکبائر و الصغائر الخبیثہ بلا بقیہ کناہ صغیرہ بلا اہل امر و تصدیک اکثر شافعیہ اور  
اصول فادات الاصول علی الصغیرہ مقرر کے نزدیک جاری ہے کہ کبیرہ اور صغیرہ  
کبیرہ عند اکثر السلفیہ والاعتزلیہ ان کے نزدیک کبیرہ ہو جاتا ہے لیکن خزانہ  
مصنوع الخبیثہ اقوال دھو قصد صفائے ترک نفی کرتے ہیں اور میں کہتا  
الحق (مسلم النبوت مع شرحہ ص ۳۸) ہوں کہ حق بھی یہی ہے۔

اس عبارت سے یہ حقیقت بے غبار ہو گئی کہ صفائے رُسے معصوم ہونا ہی  
خفیہ کے نزدیک حق اور مختار ہے اسی طرح کہا کہ قبل نبوت کے سلسلہ میں  
بھی علادہ ان امور کے جو انبیاء کرام کیلئے مخصوص ہیں، شریعت کا عام قاعدہ  
معلوم و مسلم ہے کہ زمانہ بلوغ سے پہلے ہر شخص معصوم ہوتا ہے۔ بنا بریں کہ از کم  
قبل بلوغ انبیاء علیہم السلام کا غیر معصوم ہونا بالکل لغو اور بے معنی ہے۔ پس  
عام اصول کا تقاضہ یہی ہے کہ وہ زمانہ بلوغ کے پہلے معصوم ہوں۔ باقی زمانہ  
بلوغ کے بعد اور زمانہ نبوت کے قبل جو یرمائی وقفہ ہے اس میں عصمت کا  
سلب ہو جانا نہ ثابت ہے اور نہ امر معقول ہے کیونکہ بلوغ سے پہلے کی حاصل  
سندہ عصمت کا باقی رہنا ہر طرح معقول و مناسب ہے۔ بالخصوص حالت سابقہ

کے منافی جبکہ کوئی نئی بات لاحق و حادث نہیں ہوتی بلکہ اس کے برخلاف جو  
نئے امور حادث ہوتے ہیں وہ بقائے عصمت ہی کے تقاضی ہیں بنا بریں  
اس درمیانی وقفے میں عصمت کا حاصل ہونا ہی قرین قیاس ہے بلکہ قرائن  
و شواہد بھی اسی کی تائید کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام  
کے لئے محققین اہلسنت والجماعت نے ولادت کے وقت سے ہی عصمت  
کا حاصل ہونا درست تسلیم کیا ہے چنانچہ علامہ عبد العلی بکر العلوم ارشاد  
فرماتے ہیں۔

هذا تمام الكلام في ما وجد النبوة واما قبل فالتحقيق وعليه  
اهل الله من الصوفية الكرام انهم معصومون ايضا من الكبائر والصغائر عمدًا كيف لا و  
انما الولد دون علي لولا حجة ولايه عليهم طرفة عين وهم عاين مستلقد  
لله تعالى ودلائلهم قوية من دلائل الاحياء الذين دلائلهم  
ماخوذة من دلائلهم حر یہ ساری گفتگو بعد نبوت سے متعلق تھی جہاں  
نیک قبل نبوت کا حامل ہے تو تحقیقی بات یہ ہے اور مؤلفانے کرام میں سے اہل اللہ بھی  
اسی پر یہی کہ انبیاء کرام تمام صفائے کرام سے  
عمدًا معصوم ہوتے ہیں اور کیوں نہ ہوں جب کہ ان  
کی ولادت ہی ولایت پر ہوتی ہے اور  
کوئی شخص اگر نہ تا ہی نہیں جس شایعہ نہ  
کرتے ہوں بلکہ ان کی ولایت تو اولیاء کرام کی  
ولایت سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے کیونکہ اولیاء  
کرام کی ولایت ان کی ولایت سے ماخوذ ہے اور اولیاء



الاولیاء محفوظون من المعاصی خاص سے محفوظ ہوتے ہیں خوب سمجھو اور  
فانہم و تثبت علیہ رزاق الرحمن اسی پر مضبوطی سے قائم رہو۔

ایک انصاف پسند اور جو یائے حق کے لئے اتنے ٹھوس حوالوں کے  
سامنے آجلنے کے بعد عصمت انبیاء کے مسئلے میں کسی شبہ کے باقی رہ جانے  
کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی تب البتہ طبیعتوں نے قبول حق کی فطری حیل  
کو ہی عناد و تعصب اور بہت دھرمی و بے شرمی کی بھینٹ چڑھا دیا ہے ان  
کلمہ حق قبول کرنے کی کوئی توقع رکھنا فضول ہے بلکہ ان کے لئے یہ ساری ٹوگنیاں  
بے سود و بیکار ثابت ہوں گی۔

لچھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیر کا جگو مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر  
بہر حال ناظرین نے محسوس کیا ہوگا کہ مولانا مودودی نے زمانہ نبوت سے  
پہلے عصمت کا کلی طور پر انکار کر کے بلکہ زمانہ نبوت سے قبل انبیاء کرام علیہم  
السلام کے لئے ہر طرح کا صغیرہ اور کبیرہ روار کھ کر کتنی خطرناک گمراہی کا  
دروازہ کھول دیا ہے انہوں نے تمام اہلسنت کے مسلک کو چھوڑ کر ایک باطل  
نظریہ کو رواج دینے کی کوشش کی ہے۔

مولانا مودودی نے انبیاء کرام سے قبل نبوت کفر  
کا وقوع بھی جائز مانتے ہیں  
عصمت کے اجماعی مسئلہ

انہی انکار نہیں کیا ہے بلکہ نبوت و رسالت کے پہلے ان سے ہر طرح کے  
گناہ حتیٰ کہ کفر و شرک کے وقوع پذیر ہونے کا عقیدہ بتایا ہے جس کا  
باتفاق امت غلط اور باطل ہونا واضح ہو چکا ہے بلکہ یوں کہیں کہ بار بار  
کی یاد دہانی اور توجہ دلانے کے باوجود مولانا مودودی نے انبیاء علیہم السلام  
کے لئے زمانہ نبوت سے پہلے کفر و شرک کے واقع ہو جانے پر اصرار کیا ہے حالانکہ  
یہ عقیدہ سراسر کفر اور انتہائی خطرناک ہے جن باطل فرقوں نے اس عقیدہ  
کو اپنایا ہے ان کے متعلق علامہ عبدالحی عجمی بکرا علوم ارشاد فرماتے ہیں۔

والحق انہم بمنزل ہذا لا یزالون  
خوارج من ربيعة الاسلام طحاذا اراہم  
بعض اہل اللہ رضوت اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین  
علیٰ حوڈ خنزیر و فرائع الرحمن ص ۱۴۸

رسائل و مسائل کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ مولانا مودودی کے نزدیک  
حضرت آدمؑ نے گناہ کبیرہ کیا ہے اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام  
نے قبل نبوت ان کے خیال میں ایک بہت بڑے گناہ یعنی گناہ کبیرہ کا ارتکاب  
کیا تھا جس کا بعد میں فرعون کے سامنے اقرار بھی کر لیا ہے اب یہ بھی پھر جائے کہ  
مولانا مودودی کے نزدیک انبیاء علیہم السلام قبل نبوت کفر و شرک میں بھی  
مبتلا ہوتے ہیں بالخصوص حضرت ابراہیم علیہ السلام تو قبل نبوت مولانا مودودی

کے نزدیک ضرور شرک میں مبتلا رہ چکے تھے۔

مودودی صاحب کو ان  
سین رشد تک حضرت ابراہیم علیہ السلام  
کی اس خطرناک غلطی کی  
مودودی جتنا کہ خیال میں مبتلا رہ شرک تھے  
کسی نے سوال کیا۔

سوال :- آپ نے تفہیم القرآن میں سورہ انعام رکوع ۹ سے متعلق ایک  
توضیحی نوٹ میں لکھا ہے کہ وہ حضرت ابراہیمؑ، "ہذا ربی" کہنے سے شرک  
کے مرتکب نہیں ہوئے کیونکہ ایک طالب حق اپنی جستجو کی راہ میں سفر کرتے  
ہوئے بیچ کی جن منزلوں پر غور و فکر کرنے کے لئے ٹھہرتا ہے اصل اعتبار اس  
کا نہیں بلکہ اس سیرت کا ہوتا ہے جس پر وہ پیش قدمی کر رہا ہے۔ سوال یہ  
ہے کہ اگر نبوت دہی ہوتی ہے تو حضرت ابراہیمؑ کو عام انسانوں کی طرح خدا کے  
الا ہونے یا نہ ہونے کے مسئلے میں شک اور تحقیق کی ضرورت نہ ہوتی اگر اٹھو  
نے عام انسانوں کی طرح دماغی کاوشوں اور منطق و فلسفہ ہی سے اللہ کی الوہیت  
کو پایا تو نبوت ایک کسی معاملہ ہوا اور ایک فلاسفر اور نبی کے حصولِ علم میں کوئی  
فرق نہ ہوا۔

مولانا مودودی صاحب اس کا جواب دیتے ہیں۔

نہ سائل کو نبوت کی جگہ عقیدہ توحید لکھنا چاہئے تھا۔

جواب :- معلوم ہوتا ہے کہ نبوت کے وہی ہونے کا مطلب نہیں سمجھا گیا اسی  
وجہ سے یہ سوال پیدا ہوا ہے۔ آیات کے مشابہ سے حق کی جستجو کرنا اور  
فلسفیانہ قیاس آرائیوں سے حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کرنا ایک دوسرے  
کا ہم معنی سمجھ لیا گیا ہے۔ یہ چیز بھی سائل کے لئے غلط فہمی کی موجب ہوئی۔  
قرآن مجید میں بتاتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام وحی آنے سے پہلے جو علم رکھتے  
تھے اس کی نوعیت عام انسانی علیم سے کچھ بھی مختلف نہ ہوتی تھی ان کے پاس  
نزول وحی سے پہلے کوئی ایسا ذریعہ علم نہ ہوتا تھا جو دوسرے لوگوں کو  
حاصل نہ ہو چکا ہو فرمایا ما کنتم تدرون ما الکتاب ولا الایمان (مشورہ ۱۰)  
تم کچھ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے ووجدکم ضالاً  
فہدٰی (ہنحٰ ۱) اور اللہ نے تم کو ناواقف راہ پایا پھر راستہ بتایا اس کے  
ساتھ قرآن میں یہ بھی بتاتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نبوت سے پہلے علم و معرفت کے  
انھیں عام ذرائع سے جو دوسرے انسانوں کو حاصل ہے ایمان بالغیب کی منزل  
طے کر چکے ہوتے تھے وحی اگر جو کچھ کہتی تھی وہ بس یہ تھا کہ پہلے جن حقیقتوں پر  
ان کا دل گواہی دیتا تھا اب انھیں کے معلق وحی یقین اور قطعی شہادت دیتی تھی  
کہ وہ حق ہیں اور انھیں صدقہاتوں کا عین مشاہدہ کر دیا جاتا تھا تاکہ وہ پورے  
دلوں سے دنیا کے سامنے ان کی گواہی دے سکیں۔ یہ مضمون سورہ ہود میں بار  
بار تکرار بیان کیا گیا ہے چنانچہ پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا۔

۱ فَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيْنَةٍ مِّن  
 رَّجُلٍ وَبَيْنَاكَ شَاهِدٌ  
 مِّنْهُ مِّن قَبْلِهِ كِتَابُ  
 مُّوسَىٰ ۚ صَاحِبُ  
 رَحْمَةٍ  
 (رکوع نمبر ۲)

پھر کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے  
 ایک دلیل روشنی پر تھا زمین عقلی و فطری  
 ہایت پر اس کے بعد خدا کی طرف سے ایک گواہ  
 بھی اس کے پاس آگیا (یعنی قرآن) اور اس سے  
 پہلے موسیٰ کی کتاب بھی رہا اور رحمت کا طور  
 پر موجود تھی (کیا وہ اس حدیث کا رے  
 میں شک کر سکتا ہے)  
 پھر اس کے بعد بھی مضمون رکوع میں حضرت نوحؑ کی زبان سے ادا ہوتا ہے  
 يَا قَوْمِ اَرَأَيْتُمْ اَن  
 كُنْتُ عَلٰی بَيْنَةٍ مِّنْكُمْ  
 وَاَتَانِي رَحْمَةٌ مِّنْ عِنْدِ  
 فَغَمِيتْ عَلَيْكَ اَن لَّا تَزْكُو  
 وَاَنْتُمْ لَهَا  
 كَارِهُونَ

پھر اسی مضمون کو چھٹے رکوع میں حضرت صالحؑ اور آٹھویں رکوع  
 میں حضرت شعیبؑ دہراتے ہیں اسی سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے  
 کہ اس جگہ جن آیتوں کے حوالے سے مولانا دودی نے یہ نتیجہ اخذ فرمایا ہے کہ مشاہدہ اور غور  
 و تحقیق

کہ وحی کے ذریعہ سے حقیقت کا براہ راست علم پانے سے پہلے انبیاء  
 علیہم السلام مشاہدہ اور غور و فکر کی فطری قابلیتوں کو صحیح طریقے پر  
 استعمال کر کے جیسے اوپر کی آیات میں بینۃ من رزقی سے تعبیر کیا گیا ہے  
 توحید و معاد کی حقیقتوں تک پہنچ جاتے تھے اور ان کی یہ رسالتی و نبوی  
 نہیں بلکہ کسی ہوتی تھی اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ انھیں علم وحی عطا کرتا تھا اور یہ چیز

دقیقہ شیعہ مشاہدہ و فکر کی فطری صلاحیتوں کو صحیح طریقہ پر استعمال کر کے انبیاء علیہم السلام توحید  
 کی حقیقت تک وحی کی آمد سے پہلے پہنچ جاتے تھے اور ان کا علم توحید کا حاصل کرنا عقلی اور استدلالی  
 ہونا تھا جو خدا ان کے کسب کا نتیجہ تھا یہ وہی نہیں تھا بڑے انوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مختلف  
 آیتوں میں سے کسی ایک آیت کے اندر بھی کوئی ایسا کلمہ نہیں ہے جو مودودی صاحب کے اسی  
 مقصود پر دلالت کرتا ہو بلکہ بینۃ من رزقی کا افاذہ ہر جگہ اسی بات کی  
 مراد کرتا ہے کہ یہ توحید کا علم ان انبیاء و کرام علیہم السلام کو کسب و استدلال  
 کے بغیر خاصۃً من جانب اللہ ہوتا تھا بلکہ یوں کہتے کہ وہی کی دوسری تعبیر ہی  
 من رزقی ہے علاوہ بریں بینۃ سے یہ بھی مراد ہی نہیں کہ لازماً علم توحید ہی  
 مراد ہو بلکہ دلیل و بیان وغیرہ بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح بینۃ پر  
 رحمت کا عطف تفسیری بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ بعض مفسرین  
 کا خیال ہے ۱۲

کسی نہیں بلکہ وہی ہوتی تھی دراصل مسائل حدیث ص ۲۱، ۲۲، ۲۳

اس جگہ سائل نے تفہیم القرآن کی جس تفسیر اور توضیحی نوٹ کا حوالہ دیا ہے اس کو ناظرین کے سامنے پیش کر دینا ضروری ہے متعلقہ آیت کی تفسیر میں مولانا مودودی صاحب تفہیم القرآن کے اندر تحریر فرماتے ہیں۔ یہاں حضرت ابراہیمؑ کے اس ابتدائی تفکر کی کیفیت بیان کی گئی ہے جو منصب نبوت پر سرفراز ہونے سے پہلے ان کے لئے حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ بنا اس پر بتایا گیا ہے کہ ایک صحیح الدماغ اور سلیم النظر انسان جس نے سراسر شرک کے ماحول میں آنکھیں کھولیں بھٹیں اور جسے توحید کی تعلیم کہیں سے حاصل نہ ہو سکتی تھی کسی طرح آثار کائنات کا مشاہدہ کر کے اور ان پر غور و فکر اور ان سے صحیح استدلال کر کے ارجح معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا اور پھر قوم ابراہیمؑ کے جو حالات بیان کئے گئے ہیں ان پر ایک نظر ڈالیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جب ہوش سنبھالا تھا تو ان کے گرد و پیش ہر طرف چاند سورج اور تاروں کی خداوندی کے ڈنکے بج رہے تھے اسی لئے قدرتی طور پر حضرت ابراہیمؑ کی حقیقت کے جستجو کا آغاز انھیں سوا سے ہونا چاہئے تھا کہ کیا فی الواقع ان میں سے کوئی رب ہو سکتا ہے اس مرکز میں سوال پر انھوں نے غور و فکر کیا اور آخر کار اپنی قوم کے سارے خداؤں کو ایک اہل قانون کے تحت غلاموں کی طرح گردش کرتے دیکھ کر

وہ اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ جن جن کے رب ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے ان میں سے کسی کے اندر کواہریت کا شائبہ تک نہیں ہے رب صرف وہی ایک ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے اور بندگی پر مجبور کیا۔

اس قصہ کے الفاظ سے عام طور پر لوگوں کے ذہن میں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے یہ جو ارشاد ہوا کہ جب رات طاری ہوئی تو اس نے ایک تار ڈکھا اور جب وہ ڈوب گیا تو یہ کہا پھر دیکھا چاند کو اور جب وہ ڈوب گیا تو یہ کہا اور پھر دیکھا سورج کو اور جب وہ بھی ڈوب گیا تو یہ کہا اس پر ایک عام ناظر کے ذہن میں فوراً یہ سوال کھٹکتا ہے کہ کیا بچپن سے آگے کھولتے ہی روزانہ حضرت ابراہیمؑ پر رات طاری نہ ہوتی تھی اور کیا وہ ہر روز چاند، تاروں اور سورج کو طلوع و غروب ہوتے نہ دیکھتے تھے؟ ظاہر بات ہے کہ غور و فکر تو انھوں نے سچا شدہ کو پہنچنے کے بعد ہی کیا ہو گا۔ پھر یہ نقطہ اس طرح کیوں بیاہ کیا گیا ہے کہ جب تاروں کی نگاہ اور دن نکلا تو یہ دیکھا گیا تھا خاص واقعہ سے پہلے انھیں یہ چیزیں دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا حالانکہ ایسا ہونا ضرور مستبعد ہے۔

یہ شبہ بعض لوگوں کے لئے اس قدر ناقابل حل بن گیا کہ اسے دفع کرنے کی کوئی صورت انھیں اس کے سوا نظر نہ آئی کہ حضرت ابراہیمؑ کی پیدائش اور پرورش ایک غار میں ہوئی تھی جہاں سن رشتہ کو پہنچنے تک چاند تاروں اور سورج کے مشاہدہ سے محروم رکھے گئے تھے۔

حالا تک یہ بات بالکل صاف ہے اور اس کو سمجھنے کے لئے اس نوعیت کی کسی داستان کی ضرورت نہیں ہے۔ نیوٹن کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے باغ میں ایک سیب کو درخت سے گرتے دیکھا اور اس سے اس کا ذہن اچانک اس سوال کی طرف متوجہ ہو گیا کہ اشیاء آخر زمین ہی پر کیوں گرا کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ غور کرتے کرتے ثنائی جذب و کشش کے استنباط تک پہنچ گیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس واقعہ سے پہلے نیوٹن نے کبھی کوئی چیز زمین پر گرے نہیں دیکھی تھی یا ظاہر ہے کہ ضرور دیکھی ہوگی اور بار بار دیکھی ہوگی پھر کیا وجہ ہے کہ وہ اس تاریخ کو سیب گرنے کے مشاہدے سے نیوٹن کے ذہن میں وہ حرکت پیدا ہوئی جو اس سے پہلے روزمرہ کے ایسے سیکڑوں مشاہدے سے نہ ہوئی تھی۔

اس کا جواب اگر کچھ ہو سکتا ہے تو یہی ہو سکتا ہے کہ غور و فکر کرنے والا ذہن ہمیشہ ایک طرح کے مشاہدات سے ایک ہی طرح متاثر نہیں ہوا کرتا۔ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ایک چیز کو ہمیشہ دیکھتا رہتا ہے اور اس کے ذہن پر کوئی حرکت پیدا نہیں ہوتی مگر ایک وقت اسی چیز کو دیکھ کر یکایک ذہن میں ایک کھٹک پیدا ہو جاتی ہے جس سے فکر کی توتیں ایک خاص مضمون کی طرف کام کرنے لگتی ہیں یا پہلے سے کسی سوال کی تحقیق میں ذہن الجھا رہتا ہے اور یکایک روزمرہ کے ہی مشاہدات میں سے کسی ایک چیز پر نظر پڑتے ہی غمگینی کا رونا

سرا بات لگ جاتا ہے جس سے ساری انہیں چلی جاتی ہیں۔

ایسا ہی معاملہ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ بھی پیش آیا۔ راتیں روزاں تھیں اور گزر جاتی تھیں سورج اور چاند اور تارے سبھی آنکھوں کے سامنے ڈوبتے اور ابھرتے رہتے تھے لیکن وہ ایک خاص دن تھا جب ایک تارے کے مشاہدے نے ان کے ذہن کو اس راہ پر ڈال دیا جس سے بالآخر قوسیدہ الہ کی مرکزی حقیقت تک پہنچ رہے۔ ممکن ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا ذہن پہلے سے اس سوال پر غور کر رہا ہو کہ جن عقائد پر ساری قوم کا نظام زندگی چل رہا ہے ان میں کس حد تک صداقت ہے اور پھر ایک تاریک ایک سامنے آکر کشود کار کیلئے کلید بن گیا جو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تارے کے مشاہدے سے ہی ذہنی حرکت کی ابتداء ہوئی ہو اس سلسلہ میں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جب ابراہیمؑ نے تارے کو دیکھ کر کہا یہ میرا رب ہے اور جب چاند سورج کو دیکھ کر انہیں اپنا رب کہا تو کیا اس وقت عارضی طور پر ہی یہی وہ شرک میں مبتلا ہو گئے تھے اس کا جواب یہ ہے۔

کہ طالب حق اپنی جستجو کی راہ میں سفر کرتے ہوئے جن منزلوں پر غور و فکر کے لئے بڑھتا ہے اہل اعتبار ان منزلوں کا نہیں ہوتا بلکہ اہل اعتبار اس سمت کا ہوتا ہے جس پر وہ پیش قدمی کر رہا ہے اور اس آخری مقام کا ہوتا ہے جہاں پہنچ کر وہ قیام کرتا ہے۔ بیچ کی منزلیں ہر جو یا ئے حق کے

لئے ناگزیر ہیں ان پر کھڑا بسلسلہ طلب و جستجو ہوتا ہے نہ کہ بصورت فیصلہ  
اصلاً یہ کھڑا سوالی اور استغناء ہی ہو اگر تاہم ہے نہ کہ حکمی طالب جب ان میں سے  
کسی منزل پر رک کر کہتا ہے کہ ”ایسا ہے“ تو دراصل یہ اس کی آخری رائے  
نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسا ہے؟ اور تحقیق سے اس کا جواب  
نفی میں پاکر وہ آگے بڑھ جاتا ہے اس لئے یہ خیال کرنا بالکل غلط ہے کہ اشارہ  
میں جہاں جہاں وہ کھڑا ہوا وہاں وہ عارضی طور پر کفر و شرک میں مبتلا رہا  
و تعبیہ القرآن جلد اول صفحہ ۵۵۹ تا ۵۶۰

مودودی صاحب کے اس طویل بیان میں نین کھلی تصریح ہے۔

۱۔ یہ کہ انبیاء علیہم السلام وحی آنے سے پہلے جو علم رکھتے تھے اس کی نوعیت  
عام انسانی علوم سے کچھ بھی مختلف نہ ہوتی تھی ان کے پاس نزول وحی سے پہلے  
کوئی ایسا ذریعہ علم نہ ہوتا تھا جو دوسرے لوگوں کو حاصل نہ ہو۔

۲۔ یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس واقعہ پہلے پہلے موحّد نہیں تھے یعنی انھیں  
اس کے پہلے توحید کا علم حاصل نہ تھا اس واقعہ کے ذریعہ انھوں نے استدلال  
طریقہ پر علم توحید حاصل کیا اور موحّد ہوئے۔

۳۔ یہ کہ مذکورہ واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ زمانہ نبوت سے پہلے  
پہلے ہی رشد کو پہنچنے کے بعد پیش آیا ہے۔

ہم ترتیب وار مودودی صاحب کے ان تحقیقات پر علمی تنقید و تبصرہ ناظرین

کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں اور اس سے ناراض ہونے کے بعد ہم اس  
مناظرے کی حقیقت بھی واضح کریں گے جس کے ذریعہ مودودی صاحب نے  
اپنے آخری جملوں میں کام کمانے کی کوشش کی ہے۔

مودودی صاحب کی پہلی تحقیق اور اس پر تنقید و تبصرہ مودودی صاحب

انبیاء کریم علیہم السلام کے پاس نبوت سے پہلے علم کا کوئی مخصوص ذریعہ نہیں ہوتا  
لہذا وہ کسی چیز کا علم صرف انھیں ذرا کچھ سے حاصل کرتے تھے جو عام لوگوں  
کو حاصل ہے بالخصوص حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ان کا یہ خیال کہ سن  
رشد کے بعد ان کو توحید کا علم حاصل ہوا اور اس وقت ان کو اپنی قوم کی گمراہی  
اور کواکب کے باطل ہونے کا یقین حاصل ہوا اور اس واقعہ کے پہلے وہ تو سر  
سے ان باتوں پر یقین ہی نہ رکھتے تھے یا کم از کم متحیر اور متردد تھے کوئی فیصلہ  
نہیں کر پائے تھے یہ عقیدہ مودودی صاحب کی خط کشیدہ سطروں اور رسالوں  
و رسائل سے منقول سوال و جواب کی عبارت سے اس قدر واضح ہے کہ اس پر  
مزید بحثی ڈالنے اور اس کی تشریح و توضیح کرنے کی قطعاً کوئی حاجت نہیں لہذا  
اس سلسلہ میں مودودی صاحب نے رسائل و رسائل کے اندر جن دو آیتوں کو  
بطور دلیل استعمال فرمایا ہے ان کی اصل حقیقت کیا ہے اکابرین اہل سنت  
اور حمید علیہم السلام کی زبان سے نقل کر دینا ضروری ہے علامہ ابوسعی علیہ الرحمہ

وما قد دعی ما لا کتاب ولا الایمان کے تحت رکھتے ہیں۔

واشکلت الآیۃ بات ظاہرہا  
بسندهی عدم الانصاف بالادکا  
قبل الی ولا یصح ذالک لانت  
الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام  
جبعیا قبل البعثۃ موصوف  
لعتہم عن الکفر باجماع  
من یستدل به واجب بعد اجز  
روح المعانی ص ۲۵۵

ایہ پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ ظاہر اس بنا  
کی مقتضی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو نبوت سے  
پہلے ایمان ہی حاصل نہ ہو حالانکہ یہ کسی طرح  
درست نہیں کیونکہ جلا انبیاء کرام علیہم السلام پہلے  
نبوت بھی واجب ایمان ہوتے ہیں اس بنا کہ  
وہ کفر سے معصوم ہوتے ہیں اس پر تمام  
معتدلوگوں کا اجماع ہو چکا ہے۔ یہاں عرض  
تو اس کا جواب چند طریقہ سے دیا گیا ہے۔

مزید جوابوں کی تفصیل کے لئے تفسیر کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے  
ہم اس جگہ صرف ان جوابوں پر اکتفا کرتے ہیں جن کا علامہ آلوسی علیہ الرحمۃ  
نے ذکر فرمایا ہے۔

والاول انت الایمان هنا  
لین المراد بہ التصدیق بالبحر  
بل مجموع التصدیق والاعتقاد  
والاعمال (روح المعانی ص ۲۵۶) مراد ہے۔

پہلا جواب یہ ہے کہ ایمان سے اس جگہ صرف  
تصدیق مراد نہیں ہے بلکہ تصدیق قلبی اقراء  
مسا فی اور اعمال تینوں کا مجموعہ

مطلب یہ ہوا کہ آپ وحی سے پہلے اس مجموعہ کا علم نہیں رکھتے تھے ظاہر

کہ مجموعہ اور کل کے علم کی نفی سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ان میں سے کسی ایک چیز  
کا بھی علم نہ رکھتے ہوں۔ تصدیق کا علم تو قبل وحی بھی حاصل تھا لیکن مجموعہ کا علم  
نہیں تھا اس لئے مجموعہ کے علم کی نفی درست ہو سکتی ہے اور ایمان کا لفظ تینوں  
کے مجموعہ پر اس جگہ بالکل اسی طرح بولا گیا ہے جیسا کہ آیت مساکن اللہ  
لیضیع الایمان کے اندر ایمان کا اطلاق امور ثلاثہ کے مجموعہ پر ہوا ہے۔  
والاشیخۃ انت الایمان هنا دو سر احباب یہ ہے کہ ایمان سے تصدیق بالہ  
یعنی التصدیق باللہ تعالیٰ و اور تصدیق بالرسول کا مجموعہ مراد  
بر رسول علیہ السلام لیا جائے۔

اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبل نبوت خود اپنی  
رسالت پر ایمان لانے کی کیفیت و تفصیل سے بے خبر تھے جب منصب رسالت  
پر فائز ہوئے تو یہ ضروری ہوا کہ سب سے پہلے خود اپنی رسالت پر آپ ایمان  
لاویں اس لئے آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ آپ ایمان کو نہیں جانتے تھے یعنی توحید  
کے ساتھ خود اپنی رسالت پر ایمان لانے کی حقیقت کو آپ نہیں جانتے تھے اس  
سے یہ لازم نہیں آتا کہ پہلے آپ توحید ہی کا علم نہ رکھتے ہوں۔

الثالث انت المراد بشواہج تیسرا جواب یہ ہے کہ ایمان سے مراد شواہد  
الایمان و معانیہ احکام اور شریعت کے ارکان ہیں۔



مطلب یہ ہوا کہ آپ نماز روزہ حج ذکوۃ وغیرہ کی تفصیل اور ارکان شریعت سے بے خبر تھے وحی کے ذریعہ ان امور کا علم آپ کو عطا کیا لہذا ایمان سے مراد اس جگہ ارکان شرع اور احکام تکلیفی ہیں ان کے نہ جاننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ نفس تو حید سے بھی آپ بے خبر ہوں۔

الرابع آت الکفر  
علی تقدیر مصنف فقہی التقدیر  
دعوتہ الایمان ...  
کیف تدعو الخلق الی الایمان  
جو تھا جواب یہ ہے کہ اس جگہ مصنف مؤلف  
تو یا اصل میں دعوتہ الایمان ہے۔  
یعنی آپ اس بات سے بے خبر تھے کہ لوگوں  
کو ایمان کی طرف کس طرح دعوت دیں

اس جواب کا حاصل یہ ہوا کہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کو وحی کے پہلے یہ بات معلوم نہ تھی کہ ایمان کی طرف لوگوں کو کس طرح بلا یا جائے اور تبلیغ کس طریقہ پر شروع کی جائے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تو حید سے ہی آپ بے خبر ہوں طریقہ کار کے نہ جاننے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ نفس کام سے ہی آدمی بے خبر ہو۔

یہی جوابات اس آیت کے صحیح مفہوم کی وضاحت کرنے کے لئے بھی بہت کافی ہیں جس کو مودودی صاحب نے اپنے استدلال میں دوسرے نمبر پر کرتے ہوئے فرمایا ہے وہ یہ ہے ”ووجہک ضالاً نہدی“ (وہ مضمیٰ اور اللہ نے تمہیں نادانستہ راہ پایا پھر تمہیں راستہ بتایا۔ یعنی نادانستہ سے مراد تو حید سے نادانستہ ہونا)

نہیں ہے جیسا کہ مودودی صاحب یقین کرانا چاہتے ہیں بلکہ گزشتہ جوابات میں جن باتوں سے بے خبر ہونا بتایا گیا ہے انہیں سے نادانستہ ہونا مراد ہے مزید اطمینان کے لئے اس آیت کے تحت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے جو کچھ فرمایا ہے اس کو نقل کرنا اُدے سے خالی نہ ہو گا تا کہ یہ بات بھی معلوم ہو جائے کہ مفسرین نے جو توجیہات اس جگہ پیش کی ہیں ان سب کی بنیاد کتاب و سنت ہی پر ہے چنانچہ شاہ صاحب اپنی تحریر میں اس مقام پر ایک حدیث بھی نقل فرماتے ہیں۔

در اینجا بتقدیر با یقین باید دانست کہ  
ایما قبل از بعثت نیز از ضلال و کفر اصلی  
دینی مصحوم و محفوظ اند بکذا از معاصی نیز  
در حدیث شریف است کہ من میبگاہ قصد  
نہ کہ وہ ام کہ کار سے ازان کار ہا کہ اپنی جانت  
منہ و بعد بعث آدم۔ مگر دوبارہ در ہر دو  
بار مطلق الہی اس کا یہ کردار نہ دو عصمت  
او خدائی در میان من و در میان آن کار  
حائل شد و این دو کار اینست کہ روز  
من لازم اسے راز قریش کہ ہر اہل  
اس جگہ انہی بات تو قطعی طریقہ پر جان لینا  
چاہئے کہ انبیاء کرام نبوت سے پہلے بھی گمراہی  
یا اصلی دینی کفر سے بلکہ قصداً گنہوں سے  
مصحوم و محفوظ ہوتے ہیں حدیث شریف  
میں ہے کہ میں نے کبھی یہ ادوہ نہیں کیا کہ  
ان کاموں میں سے کوئی کام کروں جو اہل بیت  
کیا کرتے تھے مگر دو مرتبہ اور ان دونوں مرتبہ  
میں عنایت خداوندی سے وہ کام کرنے نہ یا  
خدا تعالیٰ کی عصمت میرے درمیان اور میں کام  
کے درمیان حائل ہو گا وہ دو کام یہ ہیں

کہ یک دن قریش کے ایک فوجی کو میرے  
ساتھ صفحہ کے باہر بکریاں چرایا کرتا تھا  
میں نے کہا کہ آج کی رات میرے بھیر  
بجریوں کی دیکھ بھال کر دینا تاکہ میں شہر کے  
اندھاؤں و باں کچھ فوجی بیٹھے ان کو  
کر رہے ہیں اس انشا کہ میں بھی سن رہا  
جب اس ارادہ کے ساتھ کہ میں داخل ہو  
تو سب سے پہلے مکان جو میرے راستے میں  
پڑا اس کے اندر سے ڈھول بجایا اور دوسرے  
تاشوں کی بجے آواز ملی میں نے لوگوں سے  
دریافت کیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے لوگوں نے  
بتایا کہ فلاں شخص کی فدا کی عورت سے آج  
شادی ہونے والی ہے میں بھی اس گھر میں  
چلا گیا تاکہ تاش دیکھ سکوں اسی بیٹھا ہی  
تھا کہ مجھ پر کس طرح نیند مسلط کر دی  
گئی کہ آفتاب طلوع ہونے تک جاگ نہیں  
سکا جس وقت میں بیدار ہوا مجلس ختم ہو  
بڑاں و گوسفنداں را بیزدن مسک  
می چرانید گفتیم کہ امشب از گوسفند  
و بڑاں مزہ خور و ادب باشی تا در شہر  
بکر بروم و در آں جا چند جوان  
نشسته انداز می گویند من  
ہم آں انسان را بشنوم چوں کہ  
ایں قصد در بکر داخل شدم در  
اول خانہ کو در راہ من افتاد  
آواز مزامیر و طبل و دیگر آلات  
شنیدم گفتیم پیست گفتند فلاں  
کس را بہ فلاں زن اسروند  
شادی بشو و من ہم در ہن خانہ  
در آہم نہ خواستم کہ آن تماشہ  
پریم - میں کہ نشستم خواب  
را بر من بہ آنجا مسلط کر دند کہ  
تا طلوع آفتاب بیدار نشدم

بعد ازاں کہ بیدار شدم مجلس برخواستہ بود ختم ہو چکی تھی میری طرف دوسری مرتبہ ارادہ کیا مگویند  
میں قسم یاد کر نیز قصد کریم و خواب  
در میان من و در میان سنین افسانہ  
و ساریع مزا میر عائل گشت و بصیرت او  
تعالی محفوظ اندام و ازاں بعد ہرگز خیال  
بد میرا میں خاطر من گشت تا آنکہ حق تعالی  
مرا برسانت خود تو اخذ و آں عصمت  
دو بالا ساخت لیکن دانش تو شراعت و تحش  
بر یافت آں انبیا را قبل از بعثت نیز  
می باشد و در تلاش راد حق می  
شوند و ایں قدر برائے استعمال  
لفظ ضلالت کافی است چنانکہ  
گفتہ شد ۔  
رتقیہ غزنی پارہ ۴ ص ۲۲۱، ۲۲۲  
پہلے گزرت چکا ہے ۔

۱۔ اس سے معلوم ہوا کہ عصمت و حفاظت انبیاء اکرام علیہم السلام کے حق میں مراون  
و ہم منہا میں تھے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد جو الامین حضرت جلال بن ابیہ نے آپ پر رجاء ثقلات لکھا ہے

انبیاء کرام کا قبل نبوت ملہم و معصوم ہونا جس طرح شاہ عبدالعزیز کی پیش کردہ حدیث سے زمانہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے نبوت کے قبل ہی سے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کا معصوم ہونا ثابت ہے بالکل اسی طرح بعض احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ قبل نبوت سے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خداوند تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ خدا کی وحدانیت کا عقیدہ رکھنے بغیر اس کی عبادت کا آپ کے بارے میں تصور کیونکر کیا جاسکتا ہے۔ علاوہ بریں حقیقت یہ ہے کہ توحید کا انبیاء علیہم السلام کو وہی طور پر ولادت کے وقت سے حاصل ہوتا ہے اور آگے چلکر ان کا انفس و آفاق میں غور کرنا یا کائنات و عجاibat قدرت سے ان کا استدلال کرنا اضافی یقین یا الزام خصم کی غرض سے ہوتا ہے نہ کہ حصول علم کی غرض سے جیسا کہ اس مسئلہ پر آئندہ صفحات میں پوری طرح روشنی ڈالی جائے گی اور اس وقت اس کے دلائل ذکر کئے جائیں گے۔ جس جگہ تو یہ بتانا مقصود تھا کہ مودودی صاحب نے جس آیت کو اپنے عقیدہ کی دلیل کے طور پر پیش فرمایا تھا اس کا صحیح مطلب کیا ہے اور اکابر اہلسنت و سیرت تفسیر کی کتابوں میں اس کے متعلق کیا تحریر فرماتے ہیں جیسا کہ بالا اختصار بتایا بھی گیا مزید تفصیلی معلومات کے لئے متعلقہ آیت کی تفسیروں کا مطالعہ کرنا چاہئے بہر حال اس جگہ ناظرین کو مودودی صاحب کی کم فہمی اور کج علمی کا

کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور ہو گیا ہو گا اور یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی ہو گی کہ مودودی صاحب کا یہ خیال کہ توحید کا علم حاصل کرنے کے لئے انبیاء علیہم السلام کے پاس قبل نبوت عام انسانی ذرائع کے علاوہ کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہوتا اور ہر چیز کا علم حتیٰ کہ توحید کا علم بھی وہ انھیں عام ذرائع سے حاصل کرتے ہیں جو تمام انسانوں کو میسر ہیں خالص غیر اسلامی عقیدہ ہے جس کے لئے دین میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں مل سکتی کیونکہ زمانہ نبوت کے پہلے سے ہی انبیاء کرام علیہم السلام سہا خداوند تعالیٰ کی مخصوص نگرانی میں ہونا اور قدرت خداوندی کا ان کی نشوونما سے سیکر اعمال و عقائد کی اصلاح و تہذیب کیلئے خصوصی اہتمام کرنا قرآن و سنت کا سطحی مطالعہ رکھنے والوں سے پوشیدہ نہیں ہے بالخصوص علم عقائد میں یہ امر تو بالکل بدیہی ہے جس کی بے شمار تحقیق نے تصریح کی ہے جیسا کہ اپنے موقع پر جو اسے بھی نقل کئے جائیں گے اور خود قرآن حکیم سے بھی واضح ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات قرآن پاک میں مختلف جگہوں پر جس کثرت کیساتھ بیان کئے گئے ہیں بالخصوص زمانہ نبوت سے پہلے ان کی ولادت و طفولت اور پرورش کے واقعات اللہ تعالیٰ نے جتنی تفصیل اور تکرار کے ساتھ ذکر کئے ہیں شاید کسی دوسرے پیغمبر کے حالات کا ذکر قرآن میں اتنی کثرت سے نہیں کیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ ؑ کے ان احوال کے ذریعہ قرآن کا مطالعہ کرنے والا کسی نامل کے پر سمجھ سکتا ہے کہ زمانہ طفولیت میں بھی خداوند تعالیٰ نے اپنی خاصیت

و نگہانی سے ایک لمحہ کے لئے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو محروم نہیں فرمایا  
ورنہ ان کی زندگی جن خطرات اور سمجھانک صورت حال سے دوچار تھی اس میں  
حیات کا کوئی ظاہری امکان نہ تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

و لتضع علی عیسیٰ  
وہ سب کچھ اس لئے کیا تاکہ پھر درس میری  
نگاہ کے سامنے آجائے۔

معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام زمانہ طفولیت سے یکسر مشاباب و  
بلوغ کی منزل تک بلکہ قبل نبوت اپنی زندگی کے ہر لمحہ میں عام لوگوں سے ضرور  
امتیاز رکھتے ہیں بایں معنی کہ قدرت اپنی عادت عامہ کے علاوہ خاص طور پر ان  
کی حفاظت و نگہانی کرتی ہے اور ان کے اعمال و عقائد کے استوار کرنے میں  
ہمہ وقت مصروف رہتی ہے۔ علم و عمل کی راہ سے جو چیز بھی ان کے لئے  
مفرت رسالہ و نقصان کا سبب بنتی ہے ایسی کامیابیوں کو کلی طور پر محفوظ رکھا  
جاتا ہے پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ انسانی ہدایت کے لئے جو سبب بنیادی اور بنی  
عقیدہ توحید ہے فطرت الہی سے ان کو محروم رہنے دے۔ حضرت یحییٰ  
علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

و ابتناہ الحکمہ حبیباً  
یہنے نیکو گوئی کی زندگی ہی میں حکم عطا کر دیا۔  
اس جگہ حکم سے مراد فہم و فراست ہو یا نبوت و رسالت کچھ بھی مراد ہو سبک  
پہلی اور بنیادی چیز علم توحید ہے جس کے بغیر کوئی فہم و فراست خداوند

تعالیٰ کی نگاہ میں حکم سے تعبیر کئے جانے کی مستحق ہو سکتی نہ رسالت و نبوت ہی  
اس عقیدے کے بغیر معتبر ہو سکتی ہے پس اس آیت سے یہ حقیقت اظہار میں  
ہو جاتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس زمانہ نبوت کے بہت پہلے طفولیت  
کے وقت ہی سے حصول علم کا ایک ایسا معنی ذریعہ ہوتا ہے جو دوسرے انسانوں  
کو حاصل نہیں ہوتا۔ بخاری کی سب سے پہلی حدیث اس بات میں صریح ہے  
کہ وحی کی آمد سے بہت پہلے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر الہام و القادۃ  
بمشرات و منامات صادقہ کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا جو اس بات کا واضح  
قبول فراہم کرتے ہیں کہ وحی کی آمد سے پہلے بھی انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیم  
و تربیت کا کوئی ایسا ذریعہ ضرور موجود ہوتا ہے جو عام انسانی ذریعہ کے علاوہ  
شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں۔

تقنا الہی نازل ثلثاً فوق سبع سموات  
خداوند علم سات آسمانوں کے اوپر سے  
ہمہ عالمی۔ دلائل اعلیٰ ہر جاں رنگ  
ہمہ عالمی میں نازل ہوتا ہے۔ ملا علی مکی  
رنگین نمونہ وسیل سیل برکات ملا علی  
رنگ میں رنگین ہو جاتا ہے۔ ملا علی کے  
برکات کا سیل مدد اس نفس قدسی دینی ہو  
بریں نفسی قدسیہ فرد ربہ د ملا علی  
برائے اس نفس بصورت سبب متعلی ہو  
دعلوم شریعہ و احسانہ وغیرہ  
دریں نفس اندازہ دیاں نفس  
خداوند علم سات آسمانوں کے اوپر سے  
ہمہ عالمی میں نازل ہوتا ہے۔ ملا علی مکی  
رنگ میں رنگین ہو جاتا ہے۔ ملا علی کے  
برکات کا سیل مدد اس نفس قدسی دینی ہو  
بریں نفسی قدسیہ فرد ربہ د ملا علی  
برائے اس نفس بصورت سبب متعلی ہو  
دعلوم شریعہ و احسانہ وغیرہ  
دریں نفس اندازہ دیاں نفس

قدسیہ تجدید مجرکہ از فوق سبع سموات  
نازل شدہ در سدرۃ المنتہی یا حکام غائبہ  
مکتبی گشتہ در طائر اعلیٰ شائع  
شد۔ در زمین فرود آمدہ است  
مطیع شود و بوحی مستوی یا غیر مستوی  
کہ از عالم مجرکہ بمشاہدت ایہ ارادہ  
نزول فرمود بیا سبب مناسب  
طائر اعلیٰ پوشیدہ بار دیگر لباس  
الفاظ و حروف شہادتی در بر کرد  
بر قلب ایہ پیغام بر نزول فرمادہ  
درین وقت در لسان شدہ  
گفتہ شود بحضرت اللہ  
فلا مناسبتیاد امر  
بتملیح الا حکام  
ادخل الیہ اذالۃ الخفاء جہم  
دین کی معمولی بصیرت رکھنے والوں کو بھی یہ چیز معلوم ہے کہ آدم علیہ السلام  
کی تخلیق کے بعد اجدائے آفرینش میں ہی عالم ارواح کے اندر قیامت تک

ہونے والی اولاد آدم سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کا عہد و میثاق لیا تھا  
یہ معاہدہ خداوند تعالیٰ کی وحدانیت و ربوبیت سے متعلق ساری نسل آدم  
سے روز ازل ہی لے لیا گیا ہے جو عہد الست کے نام سے معروف و مشہور ہے  
اس عام معاہدے کے علاوہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ایک دوسرے  
مخصوص میثاق بھی روز ازل ہی لیا گیا ہے جس کا ذکر قرآن و حدیث میں  
پوری صراحت موجود ہے۔ عالم ارواح کا یہ میثاق اس بات کی واضح دلیل  
ہے کہ توحید کا علم انسان کی اصل فطرت میں داخل ہے یہی بات کہ  
دنیا میں آنے کے بعد عالم ارواح کے اس عہد کو چونکہ انسان بھول جاتا ہے  
اور یہ میثاق انسان کے دل و دماغ سے بالکل نسیا منیا ہو جاتا ہے یہی  
وجہ ہے کہ اس دنیا میں شرعاً اس پر کوئی حکم یا مواخذہ مرتب نہیں ہوتا لیکن یہ  
بات اس جگہ یاد رکھنی چاہیے کہ عہد الست کا بھول جانا اور عالم اجسام  
میں آنے کے بعد اسکا انسان کتبہ ناسخ سے کلی طور پر محو ہو جانا عام انسانوں  
کے لئے تو انہی جگہ درست ہے مگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حق  
میں یہ بات کسی طرح قابل تسلیم نہیں۔ اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کی آمد  
کا مقصد و غرض اسی عہد الست کو یاد دلانا ہوتا ہے پھر اگر وہ خود ہی میثاق  
الست کو بھول چکے ہوں تو دوسرے کو کیونکر یاد دلا سکتے ہیں اور یہی وجہ  
ہے کہ میثاق عام کے علاوہ ایک دوسرے مخصوص معاہدہ بھی انبیاء کرام علیہم

صلوٰۃ والسلام سے اس روز لیا گیا تاکہ میثاق اول کی تائید اور اس کا استحصال باقی رہ سکے۔ یہ بات کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اس دنیا میں عہد الست کی یاد دہانی کے لئے تشریف لاتے ہیں اور یہ میثاق عالم اجساد میں گمنے کے بعد بھی انھیں مستحضر اور محفوظ رہتا ہے اس کا ذکر حدیث اور بعض علما کے اقوال میں پایا جاتا ہے چنانچہ مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر کی آخری فصل میں ایک روایت کے اندر موجود ہے۔

واعلموا انہ لا الہ غیرہ  
ولا رب غیرہ ولا تشركوا  
بی فیثا الی سائرسل الیکم رسولاً  
یذکروکم عہدہ الی میثاقی  
رمشکوٰۃ ص ۱۴۴

تفسیر ہاویا میں ہے۔

ان الانبیاء لم تحجب ارجام  
بدخلہا فی الاشباح عن  
التوحید الا صلی علیکم  
فی یوم الست مبرککم بل بعض الادیان  
کذا الخ (رمادی ص ۴۴)

بلاشبہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ارجام  
ان کے اجسام میں آنے کے بعد بھی اعلیٰ کو  
سے فانی نہیں ہوتے جو حاصل ہو چکی ہے  
یوم الست میں بلکہ یہی حال بعض ادیان  
کا بھی ہے۔

چونکہ وحی کی آمد اور بعثت کے پہلے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تبلیغ پر  
مأمور نہیں ہوتے اس لئے توحید کی اعلانیہ اشاعت و تبلیغ زمانہ نبوت کے پہلے  
وہ شروع نہیں کرتے لیکن اتنی بات بدیہی ہے کہ اپنی ذات کی حد تک بعثت  
کا وہ پوری طرح لحاظ رکھتے ہیں اور یہ میثاق محدود وقت ان کے پیش نظر رہتا ہے  
یہی وجہ ہے کہ وہ زمانہ نبوت کے پہلے بھی ایک لمحہ کیلئے کافر و شرک کی گندگی سے  
اکودہ نہیں جو پاتے بہر حال یہ حقیقت آفتاب نیم روز سے بھی زیادہ روشن ہے  
کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو قبل نبوت بھی علم کا ایک محقق ذریعہ حاصل  
ہوتا ہے اسی طرح توحید کا علم بھی ان کی فطرت میں داخل ہوتا ہے۔ علامہ  
آلوسی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں۔

انہ علیہ السلام لم یولد  
موحی الیہ و انہ علیہ السلام  
متعبد بما یوحی الیہ الا ان  
الوحی السابق علی البعثۃ  
کان القاء و فقا فی الردع  
وما عمل بسا کان من شراعی  
اجبہ علیہما الصلوٰۃ والسلام  
الا بواسطہ ذالک الالقاء

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنوبت کے پہلے  
ہمیشہ موحی دہی رہے ہیں اور آپ نے  
رہی زمانے میں اسی طریقے پر عبادت کی  
ہے جو وحی کے نزدیک آپ کو بتایا گیا تھا  
لیکن قبل نبوت کی وحی القاء تلب اور الہام  
کے طور پر ہوتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
اپنے جد اعلیٰ و حضرت ابراہیم علیہما الصلوٰۃ  
والسلام کی شریعت پر عمل نہیں کرتے تھے

و اذ آتاکم بعض اخوانہ علیہ السلام قد اذبح الخکم صلیا ابن سمینا اولاً ثم فہو علیہ الصلوٰۃ والسلام اذبح باک یوحنا الیہ ذاک النوع من الایحاء صلیا ایضا در روح المعانی ج ۳

مگر اسی القاد الہام کے واسطے سے اذبح کہ آپ کے بعض بھائیوں یعنی انبیاء کرام علیہم السلام مثلاً حضرت یحییٰ علیہ السلام کو دو سال یا تین سال کی عمر ہی میں حکم عطا کر دیا گیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بجز اول اس بات کے مستثنیٰ ہیں کہ اس قسم کی وحی آپ کے لئے بھی ثابت ہو

گذشتہ آیت ما اکتب قدری ما اکتب دلائل ایمان کی تفسیر کرتے ہوئے قاضی تناور اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ قلمطراز ہیں۔

وهذا التفسیر مبنی علی آہل العلم تفقہوا علی آت الانیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کانوا ملہمین من اللہ تعالیٰ بالایمان بالصالح المتوحد الصفات اکمال المنزلة عن النفس والحواس وغیرہ (ج ۳)

اس تفسیر کی بنیاد یہ ہے کہ تمام اہل علم کا اس امر پر اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا درجہ نبوت بذریعہ الہام اس خدا کی ذات پر ایمان ہو گیا ہے جو اپنے صفات کمال میں منفرد ہے اور ہر ذوال نقص سے منزہ اور بری ہے

ان وضاحتوں سے معلوم ہوا کہ خدا کی ربوبیت اور وحدانیت کا علم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی فطرت میں اس طرح ودیعت کیا گیا ہے کہ وہ ان کا

مزاج بن چکا ہے حتیٰ کہ اس دنیا میں آنے کے بعد قدرت اگر بلا تاخیر انھیں قوت گویائی عطا کر دے اور ان کی زبانیں کھل جائیں تو سب سے پہلا کلمہ جو ان کی زبان سے راجو گادہ اپنی عبودیت اور خدا کی وحدانیت و ربوبیت کا اقرار ہو گا اس توحید کی شہادت کے بعد ہی کسی اہم مسئلے کے بارے میں وہ کچھ بول سکیں گے جیسا کہ قرآن حکیم میں اس کی ایک مثال بھی پیش کر دی گئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ پر عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف عادت طریقے پر پیدا ہونے کی وجہ سے ان کی قوم نے بدکاری کا الزام لگا دیا خدا تعالیٰ نے حضرت مریم کی برأت و بیگناہی کی شہادت کے لئے عام عادت کے خلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان قبل از وقت کھول دی لیکن عیسیٰ علیہ السلام نے زبان کھلنے کے بعد اپنی والدہ کی مصومیت اور بیگناہی کی طرف توجہ کرنے سے پہلے عقیدہ توحید کا اعلان و اظہار فرما دیا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

فانہ اکیفہ نکلم من کانت فی الامم ہذا صلیا قال اتی عبد اللہ علامہ نسفی فرماتے ہیں۔

دوم کے لوگوں نے کہا ہم اس سے کہہ کر خطاب کریں جو گود کے اندر بچے کی عمر میں ہے حضرت عیسیٰ بول پڑے میں اللہ کا بندہ ہوں علامہ نسفی فرماتے ہیں۔

اعتوف بالعبودیۃ وهو حضرت عیسیٰ نے جس وقت اپنی عبودیت کا اقرار

۱۔ من ۲۰ بعین لیلۃ ۲۰ کیا ہے چالیس دن یا صرف ایک ہی دن  
۲۔ من یوم رخصۃ مدارت مکہ کے تھے۔

اس آیت کے ذیل میں علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

۱۔ دل شئی تکلم بہ ان نوزہ حضرت عیسیٰ کی گفتگو کا سب سے پہلا جملہ  
جناب ربہ تعالیٰ و سبراکا یہ تھا کہ انھوں نے خداوند تعالیٰ کی تقدیس  
عن الولد و اثبت لنفسہ بیان کی اور اس کے لئے اولاد ہونے کی  
العبودیہ لربہ تعالیٰ۔ نفی کی اور اپنے حق میں اللہ تعالیٰ کی عبودیت

رخصۃ ۲۰ من کثیر معہ ۱۱ کا اظہار کیا۔

کتاب و سنت اور اکابر علمائے امت کی یہ ہر بات اس بات کا قابل  
الطہینان ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام نہ مانہ نبوت کے  
پہلے علم ہوتے ہیں اور ان کے پاس علم کا ایک مخفی ذریعہ ایسا بھی ہوتا  
ہے جو عقل و حواس اور فکر و استدلال کے عام طریقے سے بالکل جدا  
ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولی حالات کا علم رکھنے والے مسلمان  
بھی اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ منصب رسالت و نبوت پر  
سرفراز کئے جانے سے پہلے شفی صدر کا واقعہ آپ کی ذات بابرکات کے

۱۔ انورہ سجد ابن مسعود و ابن عباس عن ابن عباس (رد دم المعانی ۱۶۶)

ساتھ پیش آیا۔ روایتوں کے اندر اس واقعہ کے ضمن میں اس کا واقعہ موجود  
ہے کہ سنیہ اقدس چاک کرنے کے بعد اس کی تطہیر کی گئی اور اس کو  
علم و حکمت سے پر کر دیا گیا باہیں ہمہ کسی کا بلا تخصیص یہ دعویٰ کیونکر درست  
ہو سکتا ہے کہ قبل نبوت عام ذرا رخ کے علاوہ انبیاء کرام علیہم السلام کے  
لئے کوئی مخصوص مخفی ذریعہ علم ثابت نہیں ہے اسی طرح یہ بات بھی ہرگز ماننے  
کے قابل نہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو توحید کا علم خود ذکر و استدلال  
کرنے کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے اور کسب و استدلال کے بغیر کسی نبی کو  
وحی طوریہ پر علم حاصل نہیں ہوتا۔

مودودی صاحب کی دوسری تحقیق اور اس پر تنقید و تبصرہ | اثر نامہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام اس واقعہ کے پہلے موحد نہ تھے یعنی انھیں اس کے  
پہلے توحید کا علم حاصل نہ تھا اس واقعہ کے ذریعہ انھوں نے استدلالی  
طور پر علم توحید حاصل کیا اور موحد ہوئے یہ کسی طرح درست نہیں اس  
لئے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذات قدسی صفات کا تو موا  
ہی جدا ہے عام انسانوں کی پیدائش بھی سادہ لوحی اور بے گناہی پر ہو  
ہے۔ ماں کے پیٹ سے کوئی شخص گناہ کی آلائش لئے ہوئے نہیں آتا۔ ہر  
شخص کا لوح فطرت سادہ اور بے داغ ہوتا ہے لیکن لوح فطرت کی



یہ سادگی اور انسان کی یہ فطری بیگناہی جو قدرت کا عطیہ ہے  
نفسِ شیطانی اور ماحول کے غلط اثرات سے رفتہ رفتہ متاثر ہوتی رہتی  
ہے برے ماحول اور گروہِ پیش کے غلط اثرات سے اس پر بدنام فحش  
پڑ جاتے ہیں اس طرح اس کی فطری سادگی رفتہ رفتہ ختم ہو جاتی ہے اور اس  
کے لوحِ فطرت پر ہزاروں داغ پڑ جاتے ہیں لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے  
کہ انسان کی اس فطری سادگی کو قدرت کی طرف سے محفوظ رکھا جاتا ہے  
اور ماحول کے غلط اثرات کی وجہ سے خداوند تعالیٰ کی خاص نگرانی کے  
سبب وہ داغدار ہونے سے بچ جاتی ہے انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام  
کے ساتھ یہی صورت پیش آتی ہے اس لئے قدرت کی اس عام فیاضی کے  
احول سے انبیاءِ کرام علیہم السلام کو محروم رکھنا کسی طرح معقول بات نہیں ہے  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے

الْحَنِيفَتِ عِبَادِي حَنَفَاءُ  
مِنْ لِي سِوَايَ بَنَدُونَ كَوْفُفَاءُ  
کَلِمَتِهِمْ (مُسْلِم)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لفظ حنفاء کی وضاحت  
فرماتے ہیں۔

حنفاء ۱) مسیح و دینِ نبوی  
۲) یمنِ قبولِ حق کے لئے مستعد اور شرک سے

الْحَنِيفَةُ مِنَ الشِّرْكِ وَالْإِسْلَامِ  
سے بری ہوتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دنیا میں آنے والا ہر بچہ اپنی فطرت کے  
محافظ سے شرک سے بری ہوتا ہے اور خداوند تعالیٰ کو تحید والوہیت کا  
عقیدہ لئے ہوئے آتا ہے یا کم از کم اس کے قبول کرنے کی استعداد اس  
کے اندر موجود ہوتی ہے اس سے بھی واضح طریقے پر اس مسئلے کو حدیث  
ذیل کے اندر بیان کیا گیا ہے۔

عن ابی ہریرۃ قال قال  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
ما من مولود الا یولد علی  
الفطرة فاعوانہ  
وینصرہ ائمہ ۱) یمجسانہ  
کما تنبیح البہیمۃ سہیمۃ جعلاً  
من تحسوت فیہا من جدداً  
ثم یقول فطرة اللہ اللہ  
نظر الناس علیہا۔  
ثم یبدل لخلق اللہ ذلک  
السدۃ من القسیمہ  
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی  
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد  
فرمایا کوئی بچہ نہیں ہے مگر یہ کہ وہ اصل میں  
فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اس  
کو یہودی بنالیتے ہیں یا نصرانی بنالیتے ہیں  
یا مجوسی بنالیتے ہیں جیسے کہ جانور سام کو چننا  
ہے کیا تم اس میں کسی کو ناقص و معیوب پاتے  
ہو اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت کی  
نظر اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ  
میں پر اس کے لوگوں کو پیدا کیا ہے خدا کی  
خلق میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی یہی دینِ حق

رسنق علیہ شکوة ص ۱۲۸

بجاری و مسلم کی اس صحیح روایت سے یہ بات صاف طریقے پر سامنے آجاتی ہے کہ دنیا میں آنیوالا ہر بچہ دین فطرت اور عقیدہ کو حید پر ہی ہوتا ہے ماحول کے اثرات سے رفتہ رفتہ اس کی فطرت اگر تسخیر ہو جائے تو اس کا دین اسلام ہی مانا جائے گا۔ اس حدیث کے ضمن میں قرآن پاک کی جو آیت آگئی ہے اس کی تفسیر اور حدیث مشہور کی شرح کرتے ہوئے علما متعین جو کچھ تحریر فرماتے ہیں اس کا حاصل یہ ہے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

۱۔ المشہورات المراد بالفظو  
الدین الذی شرع وابتدأ  
وخلق رسول منظور من البشر  
دھو التوحید و دین الاسلام  
وقد وقع فی دوابة ما من  
مولود الا دھو علی الملة  
دینی و آیت الترمذی کل  
مولود یولد علی الفطرة و الفطرة  
هو دین الاسلام (معانی ص ۱۵۸)

اس میں سے مشہور معنی یہ ہے کہ فطرت سے مراد وہ دین ہے جو انسان کے ہر ذمہ وود بچے کے لئے ابتدا ہی میں مخلوق و مشرع کیا گیا ہے یہ توحید اور دین اسلام ہے اور ایک روایت میں ہے کہ کوئی بچہ نہیں پیدا ہوتا مگر یہ کہ وہ ملت پر ہوتا ہے اور ترمذی کی روایت کے اندر ہے کہ کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا مگر یہ کہ وہ ملت پر نہاں ہوتا ہے اور ملت دین اسلام ہی ہے ۔

شیخ نے ترمذی کی روایت کا حوالہ دیتے ہوئے یہ مشہور معنی تحریر کرنے کے بعد اس حدیث کا ایک اور مطلب بیان فرمایا ہے جو ان کے خیال میں زیادہ درست ہے فرماتے ہیں ۔

۱۔ فالمراد بالمراد بالفظو  
۲۔ الذی خلق الله الخلق علیہا  
۳۔ الحالة و المھیئة المھیئة للعرفہ  
۴۔ الخلق و قبول الحق و اختیار دین  
۵۔ الاسلام و انما یربب الحق و  
۶۔ الباطل ما ركب ینہم من العقول  
۷۔ اتقی یتکون بہا من الھدی  
۸۔ و قبول الحق و مو تظہر و بہا  
نظراً صحیحاً لا مستمرداً علی  
لزمہما و لہ یعارفہا کما  
۹۔ انہ یولد علی محبة  
۱۰۔ و رضاعہ التلبس

پس صحیح یہ ہے کہ اس فطرت سے مراد جس پر انسان کی تخلیق کی گئی ہے وہ حیات و حالت ہے جو قبول حق اور خالق کی معرفت اور دین اسلام کے اختیار کرنے اور حق و باطل کے درمیان تمیز کر سنے کے لئے رویت کی گئی ہے جو عقل و شعور، راہ ہدایت اور قبول حق کی غرض سے انسانوں کے اندر رکھے گئے ہیں اگر ان سے صحیح طور و فکر کا کام میں تو وہ اس ابتدائی حالت و ہیئت پر ضرور باقی رہیں گے اور اس سے ہٹ نہیں سکتے جس طرح بچہ دودھ پینے کی خواہش پر اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک اس کو اس کی خواہش سے روکا جائے ۔

(معانی ص ۱۵۸)

اس کے بعد دونوں مضمونوں کے درمیان جو ظاہری اور معمولی سا اختلاف نظر آتا ہے تھوڑی توجیہ کر لینے کے بعد شیخ لکھتے ہیں کہ معنی مشہور اور اس معنی کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے فرماتے ہیں۔

فلا خلاف بین التاویلین  
بزدوزن معنی کے درمیان کوئی اختلاف  
دلالت مستقیم نہیں ہے۔

امام نوویؒ حدیث کا معنی اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

الاصح ان معاکا ان کل مودع  
اصح معنی یہ ہے کہ ہر جگہ اسلام کے لئے

یوحسد متھیا للاسلام  
مستعد پیدا ہوتا ہے۔ . . . .

. . . . .

وان مات قبل بلوغ الاصح اند  
اور اگر اس کے بلوغ کے پہلے موت واقع

من اهل الجنة (روزی مقیم)  
ہو گئی تو زیادہ صحیح یہی ہے کہ وہ جنتی ہوگا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بخاری و مسلم کی اس حدیث میں سورہ

روم کی جس آیت کو بطور استشہاد ذکر فرمایا ہے اس کے تحت علامہ صاوی

رحمۃ اللہ تعالیٰ وہی معنی مشہور جو شیخ عبدالحق کے حوالے سے اوپر گزر چکا ہے

اس کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

وقیل انہا الخلقہ والطبیعة  
اے یہ کہا گیا کہ اس سے مراد وہ فطرت و

التی فی نفس الطفل مکنون  
ہے جو بچوں کی ذات میں موجود ہوتی . .

بہا معنی المعرفة ربہ فیس  
جس کے ذریعہ وہ اپنے خدا کی معرفت کے

بین قلوبہم و معرفۃ ربہ  
لئے مستعد ہوتا ہے ان کے دلوں اور ان کے

حجاب کما خلق اسماعلہم  
رب کی معرفت کے درمیان کوئی حجاب نہیں

والبصارہم قابضة للمبرعات  
ہوتا جس طرح ان کے کان اور ان کی آنکھیں

والمبصرات فما دامت باقیۃ  
مسموعات و مبصرات کے قابل پیدا کی گئی

علی ثلاث اھلیۃ ادرکت  
ہیں لہذا یہ فطرت جب تک اس صورت پر باقی

الحق و دین الاسلام ولا یجعیھا  
ہے حق اور دین اسلام کا ادرک کرتی ہے

فہم ات و سادس الشیاطین  
اور اس کام سے شیطان و سادس جو غ کے

الساوغ و لذ اکان کل من متا  
بعد ہی ان کے لئے مانع بنتے ہیں۔ یہی وجہ ہے

من بنی آدم قبل بلوغہ  
کہ جو بچہ بلوغ کے قبل ہی مر جاتا ہے وہ

فی الجنة وان کان من اولاد  
جنتی مانا جاتا ہے اگرچہ وہ کچھ مشرکین

المشرکین و ہذا لقول قریب من  
کی اولاد میں سے ہوتا ہے اور یہ قول پہلے

معنی القول الاول و تفسیر ہی مقیم  
قول کے بالکل قریب المعنی ہے۔

دوسری روایات کے الفاظ خصوصاً ترمذی کے حوالہ سے جو روایت

شیخ نے نقل کی ہے اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور بخاری و مسلم کی حدیث

کے اندر جو مسئلہ کی وضاحت کے لئے بہیمہ کی مثال ذکر کی گئی ہے ان

تمام امور پر غور کرنے سے معنی مشہور ہی کی تائید ہوتی ہے علاوہ بریں اگر

معنی ثنائی کو ہی درست تسلیم کر لیا جائے جب بھی حدیث سے یہ مسئلہ واضح ہے کہ ہر بچہ کا پیدائشی مذہب دینِ نطرت ہی ہے اور اگر بلوغ کے پہلے پہلے ماحول اور والدین کے خارجی دباؤ سے وہ محفوظ رہ گیا ہے تو وہ نطرتِ دہلیت ہی پر باقی رہتا ہے اور عقیدہ توحید وہی طور پر اسے حاصل ہوتا ہے یہاں وجہ ہے کہ اس حالت میں اگر اس کی موت واقع ہو جاتی ہے تو اس کا شمار جنتوں میں کیا جاتا ہے اس عام اصول سے قطع نظر کرتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سلسلہ میں سورہ انعام رکوع ۹ کے تحت جو کچھ مفسرین نے تحریر فرمایا ہے اس سے بھی خود دومی صاحب کے مذکورہ صدر دعویٰ کی تردید ہوتی ہے اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ستاروں کی طرف رجحانِ نظر کی حیثیت سے ہرگز نہ تھا یعنی یہ دیکھنا اس لئے نہ تھا کہ ستاروں میں غور و فکر کر کے اس کے ذریعہ وہ توحید کا علم حاصل کرنا چاہتے تھے۔ حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

فكيف يكون إبراهيم الخليل عليه السلام جعله الله امة فاما نشا الله وحده يكن من المشركين ما ظنوا في هذا المقام بل هو ادنى الناس بالفطرة الى التوحيد

پس حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی خود توحید پر غور و فکر کرنے والے کہ پوزیشن میں کیونکر ہو سکتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے جماعت کا پیشوا اپنا مطیع اور خالص توحید پرست بنایا اور مشرکوں میں سے نہ ہونے کا بلکہ حق یہ ہے کہ وہ اس

والسجدة المستقيمة معا من رسول الله صلى الله عليه وسلم کے بعد بعد رسول الله بلا شك سارے انبیا سے زیادہ سلامتی و لا ریبہ اور نطرتِ مستقیمہ کے بلا شک و شبہ و تفسیر ابن کثیر ص ۱۵۱) مقدار ہیں۔

جملہ ارباب تحقیق اور اہل سنت اصحاب تفسیر متعلقہ آیت کے سلسلہ میں متفق المسان ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس موقع پر چاند، سورج یا ستاروں کے بارے میں ہذا ارجحیٰ کہنا اس لئے نہ تھا کہ وہ ان مخلوقات کے ذریعہ خدا کی وحدانیت کا سراغ لگانا چاہتے تھے اور چونکہ ابھی منزلِ مقصود تک پہنچ نہیں پائے تھے یعنی اصل حقیقت منکشف نہ ہونے پائی تھی اس لئے درمیان سفر اور انساں راہ میں ان مخلوقات کی الوہیت کا اعتراف کرتے جاتے تھے بلکہ تمام معتبر مفسرین کا فیصلہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا کی الوہیت کا عقیدہ اس واقعہ کے بہت پہلے سے ہی حاصل تھا اس جگہ ان کا یہ اعتراف اپنی قوم پر حجت قائم کرنے کے لئے تھا یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ اعتراف واستدلال خود اپنے لئے نہ تھا بلکہ قوم کے عقیدہ کو فرضی طریقہ پر تسلیم کر لینے کے بعد مجازات مع انھیں اور ان خادعان کے اندانہ میں اس کا رد و ابطال کرنا مقصود تھا گو یا قوم کے ہی عقیدے سے ان پر الزام

قائم کرنا چاہتے تھے اس طریقہ کو اصطلاحی زبان میں اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس موقع پر ناظر تھے بلکہ ان کی حیثیت مناظر کی تھی مشہور محقق علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

والحق ان ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کان فی هذا المقام مناظراً لقومہ من قبل قال ما فی الشفاء قال اللہ تعالیٰ ولقد اتینا ابراہیم رشداً من قبل ان یشدوا من قبل ان کا بطلان واضح کرنا چاہتے تھے۔

یہ تمام مفسرین ایک زبان ہو کر اس اعتراف کو حقیقی اعتراف پر محمول کرنے کی تردید کرتے ہیں اور پوری قوت کے ساتھ اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں ستاروں کی الوہیت کے اقرار کر لینے پر اس کو محمول کیا جائے اگرچہ درمیان سفر اور اثنائے راہ کے طور پر کیوں نہ ہو کیونکہ یہ بات ایک پیغمبر کی شان سے بعید ہونے کے علاوہ خود

یہ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس آیت میں وحاجہ قعۃ کا جملہ موجود ہے جو اس بات کا واضح ثبوت فراہم کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم سے ایک مناظر کی حیثیت سے ان کے خلاف حجت قائم کر رہے تھے۔

قرآن کے اس بیان کے بھی مرتب خلاف ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اس کے اندر پیش کیا گیا ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ تفسیر منظر ہی میں رقم طراز ہیں۔

وکیف بتوہم هذا علی من عصا اللہ وظهر کاداً تاکاً وشد من قبل قال ما فی الشفاء قال اللہ تعالیٰ ولقد اتینا ابراہیم رشداً من قبل ان یشدوا من قبل ان کا بطلان واضح کرنا چاہتے تھے۔

یہ تمام مفسرین ایک زبان ہو کر اس اعتراف کو حقیقی اعتراف پر محمول کرنے کی تردید کرتے ہیں اور پوری قوت کے ساتھ اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں ستاروں کی الوہیت کے اقرار کر لینے پر اس کو محمول کیا جائے اگرچہ درمیان سفر اور اثنائے راہ کے طور پر کیوں نہ ہو کیونکہ یہ بات ایک پیغمبر کی شان سے بعید ہونے کے علاوہ خود

وقد قص اللہ تعالیٰ من حال ابراہیم علیہ السلام خصوصاً فی صغره ما لا یتوہم منه ان کی صغریٰ سے متعلق جو کچھ بیان

شائبة متباينة  
ذاتنا الوجه  
الادلة لا غير  
(رد المحتار ج ۱۹ ص ۱۹۹)

فرمایا ہے اس کے بعد کچھ کسی ابراہیم ہو یا  
نہیں سکتا۔ جس کے اندر اس بیان کے  
منافی ہونے کا ادنیٰ درجہ بھی کوئی شائبہ  
پایا جاتا تو لہذا پہلی تفسیر (یعنی وہی کہ یہ  
ارغواض اور تجارت انھیں ہے) کے  
سوا کوئی درست نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے متعلق جو کچھ ذکر فرمایا  
ہے خصوصاً ان کے زمانہ طفولت کے بارے میں قرآن نے جو باتیں بتائی  
کی ہیں ان سب کو دیکھتے ہوئے اس بات کی قطعاً کوئی گنجائش باقی نہیں  
رہ جاتی کہ حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کا ستاروں کے بارے میں ہذا  
درجے کہنا ان ستاروں کی الوہیت کے واقعی اقراء و اعتراف کے طوع پر  
تھا اس چیز کا ان پر شبہ کیونکر کیا جاسکتا ہے جب کہ ان کے متعلق قرآن  
کا واضح بیان ہے

ان ابراہیم کا امامۃ  
تانا اللہ حنفا و لد یث من  
المشکین (پارہ ۱۳ ص ۱۳۷)

یقیناً ابراہیمؑ پیشوا خدا کے مطیع آپ کے  
موجود تھے اور ہرگز وہ مشرک نہیں  
ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

وقد انبأ ابراهيم رشدا  
من قبل۔

بلاشبہ ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی ہدایت  
پہلے ہی دیدی تھی۔

گزر چکا ہے کہ حضرت مجاہد وغیرہ نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ ماثر  
طفولت میں حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کو راہ حق کا عرفان حاصل ہو چکا تھا  
پس حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کے متعلق قرآن کی ان تصریحات کے خلاف یہ  
کس طرح باور کر لیا جائے کہ ستاروں کے دیکھنے سے پہلے وہ خدا کی الوہیت  
کے عقیدہ سے بالکل خالی تھے اور مشرکانہ ماحول پیدا ہونے کی وجہ سے  
انھیں راہ حق اب تک کہیں سے نہ مل سکی تھی خاص اس واقعہ سے ہی انھوں نے  
حصول توحید کی غرض سے غور و فکر کے ذریعہ سفر شروع کیا تھا اور اثنائے  
راہ میں ان ستاروں کی واقعی الوہیت کا اقرار کرتے جاتے تھے لیکن یہ  
اقراء و اعتراف اثنائے راہ میں پیش آیا لہذا انھیں مودودی صاحب کے فرما  
دینے کی وجہ سے قابل اعتبار نہیں ہو سکتا حالانکہ اس بات کا حقیقت سے  
دور کا بھی تعلق نہیں ہے جو کچھ اس موقع پر مولانا مودودی صاحب نے تحریر  
فرمایا ہے بالکل اسی انداز کی بات ابوسلم نے اس آیت کے تحت حضرت ابراہیمؑ  
علیہ السلام کے بارے میں کہا ہے۔

فمنظر نظره في العجوم فقال  
الحق مقيم (پارہ ۱۳ ص ۱۳۷)

انھوں نے ایک بار ستاروں میں دیکھا  
پھر کہا میں یقین ہوں۔

اس کا مطلب ابوسلم بیان کرتے ہیں۔

انت المعنى نظره  
تفكر في النجوم يستدل  
بأحوالها على حدودها  
وانها لا تصحح انت  
تكون الالهة فقال الحق  
ستقيم - اي ستقيم النظر  
حيث لم يحصل له  
كمال اليقين -

معنى یہ ہے کہ حضرت ابوالکیم نے ستاروں  
میں غور و فکر اس خیال سے کیا تھا کہ ان کے  
حالات سے ان کے قائل ہونے پر اور اس  
بات پر استدلال کریں کہ وہ الہیہ کی مثلاً  
نہیں رکھتے لیکن حضرت ابراہیم نے کہا میں  
سقیم ہوں یعنی یہ کہا کہ میری نگاہ میں سقیم ہے  
وہ انہوں نے اس لئے کہا تھا کہ وہ ان کے  
راہ میں تھے (اللہ انہیں کامل یقین حاصل

نہ ہو سکا تھا۔

ہر شخص باسانی سمجھ سکتا ہے کہ ابوسلم نے وہی بات کہی تھی جس کو مولودودی  
صاحب سمجھنا چاہتے تھے یعنی صرف لفظی میر پھر سے باطل یہی چیز مولودودی  
صاحب نے آیت زیر بحث میں پیش کرنا چاہا ہے اس لئے دونوں باتیں حقیقت  
میں ایک ہی ہیں اب غور فرمائے ابوسلم کے اس خیال کے بارے میں علماء  
کی حکم صادر فرماتے ہیں۔ مفتی بغداد علامہ آلوسی علیہ الرحمۃ ابوسلم کا مذکور  
صدر قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

وهذا العمري بسلب  
ہی اپنی حیات کی قسم دکھا کر کہتا ہوں

نیما ارتضی عن ابی مسلم  
الا سلام وفيه من الجهد  
بمقام الانبياء لا سيما الخليل  
عليهم السلام  
روح المعاني ص ۱۲۱

کہ میرا خیال ہے کہ یہ بات ابوسلم سے اس سے  
کا ایمان سلب کر لینے والا ہے دینی ایمان کے  
دارکرو سے خارج کر دینے والا ہے اور اس  
توں میں انبیاء علیہم السلام بالخصوص حضرت  
ابراہیم کے مقام نبوت سے جہالت کا  
انکار ہوتا ہے۔

اب فیصلہ ناظرین کے ذمہ ہے وہ خود غور کریں کہ مولانا مولودودی نے اس  
موضوع پر کتنی خطرناک غلطی کی ہے اور اپنی تفسیر کے مطالعہ کرنے والوں کے  
ذہن میں کیا چیز تارنے کی کوشش کی ہے۔

مولانا مولودودی کی تیسری تحقیق اور اس کا تنقیدی جائزہ | اب تک جو  
تفصیلات

پیش کی گئی ہیں ان سے معلوم ہو چکا ہے کہ اس موقع پر حضرت ابراہیم علیہ  
السلام نے ستاروں کی واقعی الوہیت کا اقرار کیا تھا بلکہ جمہور محققین کے  
نزدیک ان کا یہ اعتراف محض اپنی قوم پر الزام قائم کرنے کے لئے اور خدا کا  
اور مجازات مع انھیں کے طور پر تھا۔ ظاہر ہے اپنی قوم کے ساتھ بحث و مباحثہ  
یا اتمام حجت سن شہور اور جوع کے بعد ہی کیا ہو گا جیسا کہ دوسرے قرائن و  
شواہد سے اس کی تائید ہوتی ہے اس لئے جن لوگوں نے ان کے اس اعتراف

سواء عداۃ ان اور الزام حضم پر محمول کیا ہے ان کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ یہ واقعہ سن بلوغ کے بعد پیش آیا ہے ان کا یہ قول مجازات مع انھم کے قبیل سے ہے۔ علامہ خازن فرماتے ہیں۔

والقول الثاني ۲ لذي  
عليه جهود المحققين  
ان هذا ۲ لوديه  
وهذا القول كان  
بعد بلوغ ابراهيم  
وحين شرفه ۲ لله بالنبو  
واكرمه بالوصالة  
وتفسير خازن موضح  
اور دوسرا قول جس پر محققین ہیں وہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ستاروں کی طرف دیکھنا اور یہ دھڑا دہی کہنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بالغ ہونے کے بعد اور اس وقت کا واقعہ ہے جب انھیں شرف نبوت سے نواز دیا گیا تھا اور منصب رسالت پر سرفراز کر دیا گیا تھا۔

لیکن اس کے برخلاف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس اعتراف کو ستاروں کی واقعی الوہیت کے اقرار پر جن لوگوں نے محمول کرنا چاہا ہے اس سے قطع نظر کہ یہ بات بجائے خود غلط ہے لیکن انھوں نے بھی اس احتیاط کی سخت ضرورت محسوس کی ہے کہ اس صورت میں واقعہ قبل بلوغ اور سن شعور کے پہلے کا مانا جائے تاکہ نبوت اور بلوغ یا سن شعور کے زمانے سے ایک پیغمبر کی طرف شرک کی نسبت نہ کرنی پڑے مگر مودودی صاحب

نے اس جگہ دو دو غلطی کا ارتکاب کیا ہے وہ اس طرح کہ ایک طرف وہ اس واقعے کو سن شعور کے بعد اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سن رشد کو پہنچنے کے بعد کا واقعہ مانتے ہیں اور دوسری طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اقرار کو ستاروں کی واقعی الوہیت کا اقرار تسلیم کرتے ہیں۔ آخری بات ان کی تحریر کے حوالے سے پہلے گزر چکی ہے اور اس پر تفصیلی نقل و تبصرہ بھی ناظرین کے سامنے آچکا ہے اس بحث میں ان کے اس نظر کے کی تنقید اور اس کا تجزیہ پیش کرنا ہے کہ یہ واقعہ ستاروں کی واقعی الوہیت کے اقرار و اعتراف کی صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سن رشد کو پہنچنے کے بعد کا ہے جیسا کہ مودودی صاحب باور کرانا چاہتے ہیں حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کو جن لوگوں نے واقعی الوہیت کے اقرار پر محمول کرنا چاہا، انھوں نے واقعہ سن رشد اور بعد بلوغ کا قرار دیا ہے اگرچہ ان کے سن نظریہ کی اکابر محضین نے تردید کی ہے اور اس خیال کو بالاتفاق باطل قرار دیا ہے امام مازنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

منهم من قال ان هذا  
كان بعد البلوغ  
وجبريا حتى قلتم التكليف  
عليه ومنهم من  
جن لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کو واقعی الوہیت کا اقرار سمجھا ہے  
جن میں سے کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ یہ واقعہ بلوغ اور قسطن تکلیف کے جاری ہونے کے



قال ان هذا كان  
قبل البلوغ واتفق  
اکثر المحققین علی  
فساد القول الاول  
واحتجوا علیه بوجود  
دقیقہ کیوں ہو گیا ہے۔

بعد کا ہے اور ان میں سے کچھ لوگ اس  
بات کے مخالف ہیں کہ واقعہ بلوغ کے پہلے  
کا ہے مگر محققین کی اکثریت نے پہلے قول  
کے باطل ہونے پر اتفاق کیا ہے اور اس  
کے خلاف مختلف دلائل سے استدلال  
کیا ہے۔

اس کے بعد امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بارہ دلائل کے ذریعہ  
ان لوگوں کے خلاف حجت قائم کی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے  
اس قول کو ستاروں کے واقعی الوہیت کے اعتراف و اقرار پر محمول کرتے  
ہوئے بھی واقعہ زمانہ بلوغ کا تسلیم کرتے ہیں۔ دلائل کی تفصیلی وضاحت  
کے لئے تفسیر کبیر کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ میں نے اختصار کو مد نظر  
رکھتے ہوئے ان کو ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا علاوہ بریں دوسرے محققین  
اس کی بھی تردید کی ہے کہ واقعی اقرار الوہیت پر حضرت ابراہیم علیہ السلام  
کے اس قول کو محمول کر کے واقعہ بلوغ کے پہلے کا مانا جائے اور یہ کہا  
جائے کہ زمانہ بلوغ کے پہلے پہلے صغر سنی اور طفولیت کی حالت میں  
تکلیف شرعی نہ ہونے کی وجہ سے کفر و شرک یا توحید کے معاملے میں تخیر و  
تردد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے مضر نہیں ہے تو اس خیال کی تردید

کرتے ہوئے علامہ خازن تحریر فرماتے ہیں۔

قالوا هذا يدل علی  
نوع تعارض ذلک لا یكون  
الآن حال الصغر قبل البلوغ  
وقیام الحجۃ وهذا القول  
لیس ببدید ولا مضی لاث  
الا نبیاء معصومون فی کل  
حال من الاحوال وانما لا یحکمون  
ان یكون لله عز وجل رسول  
یبلغ علیه وقت من الاوقات  
الا وهو بالله عارف وله حجة  
من کل منقصة مانعة ومن  
کل معبود سوا الله بری وکیف  
یتوهم علی ابراهیم و  
مذحمہ الله وظهرنا و  
اقالا وشدنا من فساد  
(تفسیر خازن ص ۱۴۲)

بعض لوگوں نے کہا کہ یہ واقعہ ایک قسم کے  
تعارض و تضاد پر دلالت کرتا ہے جو قیام حجت  
اور بلوغ کے پہلے مرتب کم عمری ہی میں  
ہو سکتا ہے لہذا یہ واقعہ قبل بلوغ کا ہے  
لیکن یہ قول نہ کسی طرح درست ہے اور نہ  
اسی قابل قبول اس لئے کہ انبیاء و کلام علیہم  
السلام ہر حالت میں معصوم ہوتے ہیں ایسا  
ہو ہی نہیں سکتا کہ خدا کا کوئی رسول ہو  
جس پر ایک لمحہ کا بھی وقت گزر جائے  
مگر یہ کہ وہ خدا کی الوہیت کا قائل ہوتا ہے  
عارف باللہ ہوتا ہے۔ خدا کی ذات کو ہر  
ذات ماسوا سے بری جانتا ہے۔ پھر حضرت  
ابراہیم کے متعلق یہ بات دائرہ میں بھی یوں  
کر سکتی ہے جب کہ خدا نے انہیں معصوم  
اور گناہوں سے پاک بنا دیا ہے اور ان کو  
ہدایت بھی پہلے ہی عطا کر دی ہے۔

اسی طرح علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس نظریے کا ابطال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

و زعم انه عليه السلام  
قال ما قال ان لم يكن  
عادنا سربته سبحانه  
والجهل حال الطفولية  
قبل قيام الحجة  
لا يضر ولا يبعد ذلك  
كفراً مما لا يلتفت اليه  
فقد قال المحققون انه  
لا يجوز ان يكون لله رسول  
ياخذ عليه وقت من الاوقات  
الا وهو الله موجد  
ربه عارف من كل  
معبود وسواك مبرئ  
روح المعاني ص ۱۹۹

تفسیر خازن اور روح المعانی کے ان حوالوں کے سامنے آجانے کے بعد

یہ حقیقت بے غبار ہو جاتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول کو مستادوں کی الوہیت کے واقعی اور نفس الامری اقرار کے ساتھ واقعہ کو بلوغ کے قبل بتانا یا توحید کے معاملہ میں حضرت ابراہیم کی طرف زمانہ بلوغ کے پہلے بھی کسی تخریروں کی نسبت کرنا بالاتفاق تمام محققین اہلسنت کے نزدیک باطل ہے۔ چہ جائیکہ سن شعور کے بعد شرک یا تجرید و تردد اور توحید کے بارے میں کسی شک کی نسبت حضرت ابراہیم کی طرف کرنا جیسا کہ مودودی صاحب نے کیا ہے یہ احتمال تو کسی طرح درست ہو ہی نہیں سکتا اگرچہ مذکور الصدد حوالوں کے بعد اور کسی ثبوت کی حاجت باقی نہیں رہ جاتی ہے لیکن ناظرین کے اطمینان کے لئے مزید ایک تفسیر کا حوالہ درج کیا جاتا ہے۔ تافہی ثنار اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

والصحيح هو القول الاول  
اذ لا يجوز ان يكون لله  
رسول . ياخذ عليه وقت  
من الاوقات الا وهو الله  
موجد ربه عارف  
ومن كل معبود سواك  
مبرئ

تو اول ہی صحیح ہے یعنی یہ حضرت ابراہیم  
لے الاوام قائم کرنے کے لئے ارغوا عنان  
اور مجازات مع انعم کے طور پر مستادوں  
کی الوہیت کا اقرار کیا تھا) اسی لئے کہ یہ ہو  
ہی نہیں سکتا کہ اللہ کا کوئی رسول ہو جس  
پر ایک لمحہ کا وقت گزر جائے مگر یہ کہ وہ  
خدا کی وحدانیت کا فانی عارف اللہ

(تفسیر مظہری صفحہ ۲۵۵) ہوتا ہے اور خدا کی ذات کو بربود ہوا بری جانتا ہے

موردی صاحب کا آخری سوال اور اس کی حقیقت | مولانا  
موردی

صاحب کی تفسیر کے حوالے سے جو عبارت گزرتی ہے اس کے آخری حصے  
یہ ہیں: "تبیح کی منزلیں کجویائے حق کے لئے ناگزیر ہیں ان پر ٹھہرنا بلسلہ  
طلب جستجو ہوتا ہے نہ کہ بصورت فیصلہ۔ اصل یہ ٹھہرنا کو سوائی اور استفہامی  
ہو اگر تلبہ نہ کہ حکمی طالب جب ان میں سے کسی منزل پر رک کر کہتا ہے: "ایسا  
ہے" تو یہ دراصل اس کی آخری رائے نہیں ہوتی بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے  
کہ "ایسا ہے" اور تحقیق سے اس کا جواب نفی میں پا کر وہ آگے بڑھ جاتا ہے  
اس سے کہ یہ خیال کرنا بالکل غلط ہے کہ اثنا کے راہ میں جہاں جہاں وہ ٹھہرتا  
ہے وہاں وہاں وہ عارضی طور پر کفر و شک میں مبتلا رہتا ہے (تفسیر القرآن مجید)  
ان سطروں میں موردی صاحب دراصل یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ جو  
کچھ اس موقع پر میں لکھ رہا ہوں وہ دوسرے مفسرین نے بھی اس جگہ لکھا  
ہے فرق صرف انداز تعبیر کا ہے وہ نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول "ہذا  
ربی" کو استفہام پر مفسرین نے محمول کیا ہے اور یہی بات میں سمجھانا چاہتا  
ہوں اس لئے یہ چیز نہایت ضروری ہو جاتی ہے کہ ناظرین کو موردی صاحب  
کے فریب سے باخبر کرنے کے لئے اس کی اصل حقیقت واضح کر دی جائے

بنابرین سب سے پہلے اس احتمال کی توضیح ضروری ہے جو اس جگہ بعض مفسرین  
نے تحریر فرمایا ہے وہ یہ ہے علامہ خازن لکھتے ہیں۔

الوجه انما خلق ان ابراہیم  
علیہ السلام قال هذا  
انقول علی سبیل الاستفہام  
استفہام ۲ نکار و توبیخ لغویہ  
نقد سیرۃ اھذا ابی الذی نزع  
... والمعنی ان یكون  
هذا ارشاد و لا کل النقص فیہ  
ظاہرۃ (تفسیر خازن صفحہ ۲۵۵)

مفسرین کی پیش کردہ توجیہ کا حاصل یہ ہوا کہ اس قول میں حضرت ابراہیم  
علیہ السلام نے ستاروں کی الوہیت کا اعتراف و اقرار کیا ہی نہیں ہے  
وہ تو خدا کی الوہیت کے بہت پہلے ہی سے قائل تھے یہ بات ان کے اندر  
ممکن ہی نہیں ہو سکتی کہ وہ خود حصول علم کی غرض سے غور و فکر یا کوئی سوال و  
استفہام کریں بلکہ اپنی قوم کے عقیدہ کو رد کرنے کے لئے انھوں نے ستاروں  
میں غور و فکر کرنے کے بعد چونکہ ان کی عدم الوہیت کے دلائل واضح تھے  
اس لئے اپنی قوم پر الزام عائد کرتے ہوئے بطور زبردستی ان سے کہا

کیا تمہارے گمان کے مطابق یہی میرا رب ہے جس کے اندر زوال کے آثار بالکل ظاہر اور واضح ہیں یعنی وہ رب کیوں کر ہو سکتا ہے جو فانی اور زوال پذیر ہے پس معلوم ہو گیا کہ مفسرین کے تحریر کردہ استفہام کا یہ منشا نہیں ہے کہ خود باللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہی پہلے سے خدا کی الوہیت کا علم حاصل نہ تھا یا وہ اس معاملہ میں تردد و تحیر یا کسی شک میں مبتلا تھے اور ان کا یہ قول حصول علم اور آخری فیصلہ کرنے سے پہلے کسی درمیانی مرحلہ کا عارضی اعتراف و اقرار ہے جیسا کہ مورد درمی صاحب سمجھانا چاہتے ہیں مفسرین نے استفہام کو انکار و توہین پر محمول کیا ہے نہ کہ استفہام طلب و سوال پر۔ استفہام انکار کا مطلب ہے مخاطب کے معلوم نظر سے کا باطل کرنا اور اس کے تسلیم کرنے سے انکار کرنا اور استفہام سوال یا معلی کا مطلب ہے کسی غیر معلوم چیز کا دریافت و معلوم کرنا اور اس کی تحقیق و جستجو کرنا دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے جو کچھ مفسرین نے تحریر کیا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ابراہیم علیہ السلام کی طرف ستاروں کی الوہیت کا عقیدہ یا کفر و شرک کی نسبت اٹھائے راہ میں عارضی ہی طور پر یہی ایک لمحہ کے لئے بھی درست ماننے کی ضرورت پیش آئے اس کے برخلاف یہ چیز مورد درمی صاحب کی اختیار کردہ راہ کے لئے بالکل ناگزیر ہو جاتی ہے۔ باقی مورد درمی صاحب کا یہ کھودینا کہ وہ عارضی اور اٹھائے راہ کی بات ہے آخری فیصلہ

نہیں ہے لہذا کوئی مضائقہ نہیں یہ تو خود ان کے ذہن کی بات ہے ورنہ علامہ آلوسی وغیرہ کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ سن شعور کے بعد تو یہ چیز بڑی بات ہے صغر سنی اور کم عمری میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اس کی نسبت ہرگز درست نہیں ہے۔

**انبیاء کرام پر نفس یا شیطان کا کبھی غلبہ نہیں ہوتا | یہ چیز اپنی جگہ**  
 سے ساتھ دو اذلی دشمن لگے ہوئے ہیں جن سے کوئی فرد بشر خالی نہیں ہے ان میں سے ایک دشمن داخلی ہے اور ایک خارجی اور یہی دونوں درحقیقت تمام شر و فساد کا سرچشمہ ہیں یہ نفس اور شیطان ہیں اگرچہ یہ دونوں ہی انبیاء کرام علیہم السلام کے اندر بھی موجود رہتے ہیں اور کسی حد تک ان کے طبعی تقاضے بھی موجود ہوتے ہیں لیکن قدرت ابتدا ہی سے انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے ایسا نظم کرتی ہے کہ ان دونوں کا بالکل مزاج ہی بدل جائے یا کم سے کم ان کے ہر عمل سے انبیاء کرام کو محفوظ نظر رکھا جائے اس لئے ان پر نفس یا شیطان کا کوئی دائرہ کامیاب نہیں ہو پاتا۔ کتاب و سنت کے ساتھ انبیاء کرام کے حالات میں غور کرنے سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ان دونوں میں سے کسی کا بھی ان پر غلبہ نہیں ہو پاتا ہے اس بات کا ثبوت کہ شیطان کا ان پر کبھی غلبہ نہیں ہو سکتا ذیل کی حدیث کے اندر موجود ہے

عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما منكم من احد الا وقد وكل به قرينه من الجن وقرينه من الملائكة قالوا واياك يا رسول الله قال اياي ولكن الله اعاني عليه فاسلم فلا يا مرنى الا بخير •

(مشکوٰۃ ص ۱۸ ج ۱)

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر شخص کے ساتھ یہ بات پیش آتی ہے کہ اس کا ایک ساتھی شیطان مقرر کیا جاتا ہے اور ایک ساتھی فرشتہ مقرر ہوتا ہے صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ معاملہ آپ کے ساتھ بھی پیش آیا ہے، حضورؐ نے فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر غالب کر دیا اس لئے وہ شیطان مطیع ہو گیا پس وہ مجھے صرف اچھے کاموں کا ہی حکم دیتا ہے۔

حدیث میں اس بات کی کھلی تصریح ہے کہ یہ شیطان انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ہمراہ و قرین ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ انبیاء کرامؓ کو اس کے شر سے محفوظ کر دیتے ہیں بلکہ حد تک ان کا مطیع و فرماں بردار

یہ حدیث مختلف صحابہؓ سے ان کتابوں میں بھی روایت کی گئی ہے مسلم، نسائی، ترمذی، دارمی، احمد، طبرانی، کبیر ابو یعلیٰ سعید ابن منصور بن حبان بغوی دیکھئے تنقیح الرواۃ و مرعاۃ درقاۃ

بنادیا جاتا ہے اور اغوا و اضلال کے بجائے اچھے کاموں میں اپنی فطرت کے خلاف تعاون کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اس حدیث میں مطیع و فرماں بردار بنائے جانے کے سلسلے میں کسی وقت کا تعین نہیں کیا گیا جس سے بظاہر یہی واضح ہوتا ہے اس اطاعت و فرماں برداری کا آغاز ابتدا سے ہی ہو جاتا ہے اور اس کے شر سے حفاظت و عصمت کا سلسلہ انبیاء کرامؓ کے ولادت کے بعد ہی شروع ہو جاتا ہے اس خیال کی تائید ان روایتوں سے بھی ہوتی ہے جن کے اندر فاسلم صیغہ ماضی کے بجائے فاسلم صیغہ مضارع وارد ہے بلکہ بعض اہل علم نے اس صورت کو زیادہ بہتر قرار دیا ہے بعض علماء نے قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے امت کے اس اجماعی عقیدہ کی تصریح کی ہے۔

ان الامۃ مجتمعة علی عصمة النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الشیطن فی جسمہ و خاطوہ و لسانہ۔

(مرقاۃ ص ۸۸ ج ۱)

ساری امت اس بات پر متفق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم، اپنے قلب اور اپنی زبان میں شیطان کے اثر سے محفوظ رکھے گئے ہیں۔ دوسرا دشمن نفس ہے یہ بھی ہر انسان کی طرح انبیاء کرامؓ کے اندر موجود ہوتا ہے اور کسی حد تک اپنی فطرت کے تحت کبھی کبھی شرارت کرنا چاہتا ہے لیکن شیطان ہی کی طرح اللہ تعالیٰ انبیاء کرامؓ کی اس سے کبھی حفاظت

فرماتے ہیں اور یہ ہمیشہ اپنے واؤں میں ناکام رہتا ہے۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایک پیغمبر کی زبان سے ایقظ بھی نقل فرمایا ہے۔

آت النفس لا تمارك  
بالسوء ۱۰ لا ما حم  
رجی ۵

نفس بلا مشیہ برائی کا حکم دینے والا ہے  
لیکن میرا جب پر دم فرما دے (۱۰) اس کا  
شر سے محفوظ ہو جاتا ہے (۵)

اس آیت کے اندر یوسف علیہ السلام کے اقراء کے تحت جہاں اس بات کی صراحت ملتی ہے کہ نفس انبیاء کرام علیہم السلام کے اندر پایا جاتا ہے اور وہ آثارہ بالسور بھی ہوتا ہے وہاں اسی آیت کے اندر اس بات کی فیز مہم تصریح بھی پائی جاتی ہے کہ خداوند تعالیٰ کی رحمت ان انبیاء کرام علیہم السلام کی نفس کے مقابلہ میں ہمیشہ دستگیری کرتی ہے اور نفس اپنے داؤں میں کبھی کامیاب نہیں ہو پاتا۔ اللہ تعالیٰ اس کے شر سے انبیاء کرام علیہم السلام کو محفوظ رکھتے ہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں ۔

۱۔ انہی ائمہ کرام علیہم السلام در اخلاق  
جسلیہ خود فوقیت دارند بر غیر خویش  
ایں نیز انہ بر سیئات ملت است و  
مسککہ بقواتین حکمت خلقیہ مطلع است

۲۔ یہی بات کہ انہ علیہم السلام اپنے فطری  
اخلاق میں عیروں پر فوقیت رکھتے ہیں  
تو یہ مسئلہ بھی فرہیب کے بدرہی مسائل میں  
ہے اور شخص بھی تخلیقی حکمت کے اصول سے واقف

بظہورت می دانند کہ انتظام اخلاق  
 جمیلہ بایں روش کہ در انبیاء  
 ظاهر شد بدون انقیاد نفس قلب  
 را و قلب عقل را میسر نیست ۔  
 (ازالۃ الخفا ص ۱۰۵)

یا با برہمت اس بات کو جانتا ہے کہ  
 طرح یہ اخلاق انبیاء و کرام میں ظہور پذیر ہو  
 ہیں اس بنا پر سے ان اخلاق جمیلہ کا منتظم  
 ہو جانا نفس کی اطاعت قلب اور قلب  
 کی اطاعت عقل کے غیر ممکن نہیں ہے ۔

شاہ صاحبؒ کی اس تصریح سے معلوم ہوا کہ انبیاء اکرامؑ کا نفس ان کے قلب کے تابع ہوتا ہے اور ان کا قلب عقل کے تابع ہوتا ہے اس لئے ان کا ہر عمل عقل کے تقاضہ کے مطابق ہوتا ہے ۔

عصمتِ انبیائے مطلق مودودی صاحب کی دوسری کوتاہیاں

کی عبارت کا جو انتہا سناظرین کے سامنے پیش کیا گیا تھا اس کے پہلے جملے پر مکمل تحقیقی بحث گذشتہ صفحات میں پیش کی گئی ہے جس کے ذیل میں مسئلہ کے تقریباً ہر پہلو پر روشنی پڑ چکی ہے لیکن دوسرے جملوں کے اندر مودودی صاحب کی جو خامیاں ہیں ان کی نشاندہی ابھی باقی ہے اس لئے ان پر کلام سربا بھی ضروری ہے اگرچہ اس موقع پر ہم بے حد اختصار سے کام لیں گے۔

مودودی صاحب کی زیر نظر عبارت کا دوسرا جملہ یہ تھا

عطا درود اگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت تھوڑی دیر کے لئے بھی ان سے منفک ہو

جائے تو جس طرح عام انسانوں سے بھول چوک اور غلط فہمی ہو جاتی ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام سے بھی ہو سکتی ہے۔

انبیاء کرامؑ کے بارے میں یہ خیال کہ وہ کسی وقت عام انسانوں کی طرح غیر معصوم ہو سکتے ہیں بہت ہی خطرناک قسم کی غلطی ہے، عام انسان تو غیر معصوم ہونے کی وجہ سے بھول چوک اور غلط فہمی میں بڑے بڑے گناہ کا ارتکاب کر لیتے ہیں حتیٰ کہ ان سے کفر و شرک کا صدور بھی ہو جاتا ہے کیا انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی مودودی صاحب کے خیال کے مطابق غیر معصوم ہو جانے کی صورت میں یہ سب کچھ ہو سکتا ہے، اگر ہو سکتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے کسی قول و عمل کو سند نہ بنایا جائے کیونکہ اس صورت میں ان کے ہر قول و عمل کے متعلق اس بات کا احتمال ہوگا کہ وہ عصمت کے منہک ہو جانے کے وقت ہی صادر ہوا ہو حالانکہ صحابہ کرامؓ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول و عمل کو دلیل خصوص نہ ہونے کی صورت میں بغیر کسی تاثر و تاخیر کے اپنا لینا اس نظر کے قطعی نفی کرتا ہے درحقیقت یہ امکان نبی کی ذات سے وثوق و اعتماد ہی کو متزلزل کر دیتا ہے بلکہ اس احتمال کو درست مان لینے کے بعد پورے دین سے ہی بے اعتمادی پیدا ہو جائے گی اس لئے کہ سارے اعتماد و وثوق کی بنیاد ہی نبی کی ذات کے معصوم و محفوظ ہونے پر قائم ہے انکی عصمت و حفاظت ختم ہو جانے کے بعد جو عام انسانوں کے اعمال و اقوال کا حال ہے

وہی حال ان کا بھی ہو جاتا ہے جس کے بعد کسی اعتماد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مسئلہ کے اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لوجوز هذا الامر لما بقى الا مان فى امر التبليغ وهو ظاهر (فوائد الرحمة ص ۳۸۷)

اگر اس صورت کو درست مان لیا جائے تو شریعت کے معاملے میں اعتماد ہی ختم ہو جائے گا حالانکہ یہ بات جس قدر خطرناک ہے وہ ظاہر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اس موقع پر زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ عصمت کے منہک ہوئے بغیر انسانی فطرت کے تقاضوں کے تحت انبیاء کرام علیہم السلام سے کسی وقت کسی لغزش کا ہونا ممکن ہے لیکن من جانب اللہ ان کو تنبیہ کر دی جاتی ہے اور اس پر ہرگز قائم نہیں رہنے دیا جاتا مگر یہ خیال کہ ان کی عصمت ہی ختم ہو جائے اور عام انسانوں کے درمیان اور ان کے درمیان کوئی فرق باقی نہ رہے یہ بہت خطرناک قسم کی بات ہے اس جگہ ناظرین کو شبہ نہ ہونا چاہئے کہ مودودی صاحب نے تو اگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت تھوڑی دیر کیلئے بھی ان سے منہک ہو جائے تحریر فرمایا ہے جو فرض محال کے درجے کی بات ہے نہ کہ لازمی طور پر فی الواقع یہ چیز مودودی صاحب کی خیال میں ہو جانا ہی علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں انالوجوز لنا علیہم شیئا من ذلك بطلت الشرائع ولم يوثق بشئ مما يذكرون انه من وحى الله تعالى روح المعانی ص ۲۲۔

کوئی ضروری بات ہے یہ شبہ اس لئے غلط ہے کہ مودودی صاحب نے اگلے جلد میں خود ہی اس کی تشریح کر دی کہ یہ بات فرض محال کے درجے کی نہیں ہے بلکہ ان کے خیال میں یہ معاملہ ہر نبی کے ساتھ کبھی نہ کبھی ضرور واقع ہوتا ہے بنا بریں اب کسی توجیہ کے لئے بھی مودودی صاحب کے کلام میں کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی وہ خود فرماتے ہیں۔

۳ اور یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اٹھا کر ایک دو نفز شس سرزد ہونے دی ہے۔

اس جگہ مودودی صاحب صرف نفز شس کا ہونا ہی تحریر فرماتے تو بات کسی طرح بن سکتی تھی مگر اس صورت میں نہ یہ نفز شس عصمت کے منافی سمجھی جاتی اور نہ اس کی وجہ سے عصمت و حفاظت اٹھانے کی ضرورت پیش آتی ہے کیونکہ جن بزرگوں نے کسی نفز شس کا وجود انبیاء سے جائز مانا ہے انہوں نے اس کو عصمت کے منافی نہیں سمجھا ہے ورنہ وہ بھی مودودی صاحب کی طرح عصمت کے اٹھائے جانے کی تشریح ضرور کرتے لیکن ایسا کسی نے نہیں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نفز شس ان کے یہاں اس درجے کی چیز ہی نہیں ہوتی کہ اس سے انبیاء کرام کی عصمت کے متاثر ہو جانے کا اندیشہ ہو مگر مودودی صاحب کے نزدیک یہ نفز شس اس درجہ خطرناک ہوتی ہے کہ اہل کے لئے عصمت کا اٹھا دیا جانا بھی ضروری ہے حالانکہ زمانہ نبوت

میں عصمت و حفاظت کے زوال و انفکاک کا یہ نظریہ اجارح امت کے خلاف ہے اور سلب عصمت کے اس عقیدے کا مودودی صاحب کے علاوہ کسی دور میں بھی امت کے اندر کہیں سراغ نہیں ملتا ہے گز چکا ہے کہ عصمت نبوت کے ممتاز اجزاء میں سے ایک جز ہے۔ جز کا اپنے کل سے منفک ہونا کیونکر ممکن ہے۔ اخیر میں یہ بات بھی ذہن نشین رہ چاہئے کہ نفز شس یا بھول چوک کا واقع ہونا۔ اسی طرح اس پر باز پرس اور مواخذہ کا ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ جس مخلوق سے یہ نفز شس صادر ہوئی یا جس کا اس پر مواخذہ کیا گیا ہے وہ ضرور بندہ و محکوم ہے اس لئے اگر محکوم نہ ہوتی تو اس سے مواخذہ کیوں ہوتا لیکن یہ چیز اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی کہ وہ مخلوق بشر یا انسان ہے اس فرق کو ایک مثال سے واضح کیا جاسکتا ہے مثلاً کسی فرشتہ یا جن سے کوئی ایسا فعل صادر ہو گیا کہ جن پر ان سے باز پرس کی گئی تو یہ چیز اس بات کی واضح دلیل ہوگی کہ جن یا فرشتہ ضرور کسی کا بندہ اور محکوم ہے ورنہ اس کی باز پرس ہی کیوں ہوتی اس کے برخلاف یہ باز پرس یا نفز شس اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی کہ وہ جن یا فرشتہ بشر اور انسان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نفز شس کا واقع ہونا یا اس پر باز پرس ہونا بشر ہونے کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا البتہ بندہ و محکوم ہونے کی دلیل اس کو بنایا جاسکتا ہے اس فرق کو سمجھ لینے کے بعد مودودی صاحب کے اس استدلال کی کمزوری کسی



بیان کی محتاج نہیں رہ جاتی۔ مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام سے یہ نفرتیں اس لئے ہوتی ہے  
 ۲ تاکہ لوگ انبیاء علیہم السلام کو خدا نہ سمجھیں اور جان لیں کہ یہ بشر ہیں  
 خدا نہیں۔

کسی نفرت کے واقع ہونے سے یہ تو سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ خدا نہیں ہیں  
 لیکن کیونکہ سمجھا جائے گا کہ وہ بشر ہیں کوئی دوسری مخلوق مثلاً جن یا فرشتہ  
 نہیں ہیں البتہ یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ محکوم اور بندہ ہیں بالخصوص اس صورت  
 میں جبکہ اس نفرتیں پر باز پرس بھی ہو جائے۔ بنا بریں مودودی صاحب  
 کا استدلال نفرتیں کے صادر ہوجانے سے بشر ہونے پر ہرگز درست نہیں ہے  
 اس وضاحت کو سامنے رکھنے کے بعد مودودی صاحب کی مذکورہ بالا عبارت  
 کے درمیان اور حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ کی اس عبارت کے درمیان فرق کر لیا  
 کوئی دشوار کام نہیں ہے۔

کبھی کبھی انبیاء علیہم السلام سے بعض معاملات میں زلت (نفرتیں)  
 ہونے کے جو واقعات قرآن کریم میں مذکور ہیں وہ بھی عین حکمت و رحمت ہیں۔  
 ان میں ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ لوگوں کو انبیاء کی خدائی کا وہم و شبہ نہ ہونے  
 پائے۔ زلات کا صدور اور حق تعالیٰ کی تنبیہات واضح کر دیتی ہیں کہ حضرات  
 انبیاء تو بھی اللہ تعالیٰ کے بندے ہی ہیں (محاسن مبارکہ بحوالہ صدیقی مؤ)

خیال رہے کہ دونوں عبارتوں کے درمیان اس کے علاوہ ایک واضح  
 فرق اور بھی ہے وہ یہ کہ مودودی صاحب کے نزدیک نفرتیں کے صدور کے  
 لئے عصمت کا اٹھایا جانا بھی ضروری ہے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ  
 کی عبارت میں اس قسم کی کوئی بات مذکور نہیں ہے۔

سید طاہر حسین گیلانی

اللہم منک العصمة فی الاعمال والافعال وبفضلک انصیافہ عن  
 الزلل والمیل الی الصلال نونق لنا بما تعجب وشرقی ریحنا لانا اقداح  
 المعصومین وعبادک المحبوبین والحمد للہ رب العالمین  
 بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# فہرست مآخذ و مراجع

۱	قرآن حکیم	۱۴	موسعات	۲۴	فوائد الرحمن
۲	صحاح مستہ	۱۵	نور شریعہ	۲۸	الملل والنحل
۳	مشکوٰۃ المصابیح	۱۶	شرح عقائد	۲۹	حاشیہ مشکوٰۃ
۴	تفسیر روح المعانی	۱۷	مسامرۃ	۳۰	مالا بدینہ
۵	تفسیر ابن کثیر	۱۸	شرح فقہ اکبر	۳۱	حاشیہ مالا بدینہ
۶	تفسیر مدارک	۱۹	منبر اس	۳۲	تفہیم القرآن
۷	تفسیر خازن	۲۰	حاشیہ منبر اس	۳۳	تفہیمات رکن
۸	تفسیر عزیزی	۲۱	الانتقاد الرجح	۳۴	رسائل و مسائل
۹	تفسیر مظہری	۲۲	الروضۃ البہیۃ	۳۵	فتاویٰ اسلامیات
۱۰	تفسیر صادی	۲۳	اذانہ الخفاء	۳۶	حاشیہ لغزۃ
۱۱	موسعات	۲۴	حجۃ اللہ الباقیۃ	۳۷	ترجمان اللہ
۱۲	لمعات	۲۵	احیاء العلوم	۳۸	شرح مراقفہ
۱۳	اشعۃ اللمعات	۲۶	مسلم الثبوت	۳۹	تفسیر کبیر

## خطوط نویسی

عربی، انگلش اور اردو میں

تالیف : بدر الزماں قاسمی کیرانوی

عربی، انگلش اور اردو میں خط و کتابت سکھانے والی اپنی نوعیت کی منفرد اور بے مثال کتاب۔ جس میں سو سے زیادہ مختلف مواقع پر لکھے جانے والے خطوط اور ملازمت کے لیے دی جانے والی درخواستوں، نیز دفتری اور تعلیمی خط و کتابت کے نمونے پیش کئے گئے ہیں اس کے علاوہ خط و کتابت سے متعلق ضروری الفاظ اصطلاحات اور تعبیرات کا ایک بڑا ذخیرہ تینوں زبانوں میں جمع کر دیا گیا ہے۔

اس سے قبل موکف کی ایک کتاب ”جدید عربی ایسے بولے“ خراج تحسین حاصل کر چکی ہے۔

یہ کتاب بھی اہل ذوق حضرات کے لیے ایک اہم تولد ہے۔ قیمت = 70 روپے

فہرست کتب مفت طلب فرمائیں

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند